حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنا

دقائق اسلام

سرگودھا

ستمبر ۲۰۱۵ء

کُلُّ یَومٍ عَاشُورَاء

جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

فون: 048-3021536

Website: www.sibtain.com Emails: smi51214@gmail.com Sultanulmadarisislamia@gm

جلد ۱۹ ستمبر ۲۰۱۵ء شمارہ ۹

فہرست مضامین

مُدیرِ اعلیٰ: ملک مُمتاز حسین اعوان
مُدیر: گلزار حسین محمدی
پبلشر: ملک مُمتاز حسین اعوان
مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰
مقامِ اشاعت: جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا
کمپوزنگ: الخطّاط کمپیوٹرز 0307-6719282
فون: 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے
لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

بانیانِ مجالس اور واعظین وذاکرین سے مؤدّبانہ گزارش

مکتب آلِ محمد علیہم السلام جس کا ماخذ قرآن حکیم اور فرامین معصومین علیہم السلام ہے مگر اس وقت منبر پر آنے والے اکثر حضرات خود ساختہ عقائد اور سینہ گزٹ روایات بیان کر کے عوام میں بدعقیدتی اور بدعملی کے مواقع فراہم کر رہے ہیں۔ لوگ عجیب کشمکش کا شکار ہیں بانیانِ مجالس کی اکثریت مجمع کثیر ہونے اور ذاتی شہرت کے خواہش مند رہتی ہیں۔ اس لیے وہ قدآدم اشتہار چھپوا کر ملک کے معروف واعظین وذاکرین کو مدعو کرتے ہیں۔ حق وصداقت بیان کرنے والے اہلِ علم کے لیے امام بارگاہوں کے دروازے بند کیے جاچکے ہیں۔ جید اور محقق علمائے کرام کو سب وشتم کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ مذہب اہلِ بیتؑ کی نشرواشاعت کے لیے مجاہد علمائے کرام درستگی عقائد اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہیں۔ خطابات اور لٹریچر کے ذریعہ حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کی ترویج وترقی کے لیے مشکلات کے باوجود رواں دواں ہیں۔ "دقائق اسلام" کے صفحات پر کئی بار ہم نے تطہیر منبر کے لیے تجاویز اور تبلیغ دین کے احسن طریقوں سے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔ عزاداری مظلوم کربلا کے ذریعے قرآن وحدیث کے بیان کرنے کے عمدہ مواقع میسر ہیں۔ ایام عزا میں محبانِ اہلِ بیتؑ بڑے اخلاص اور محبت کے ساتھ مجالس عزا اور جلوس ہائے عزا میں شرکت کرتے ہیں مگر منبر سے کوئی خاطر خواہ پیغامات نشر نہیں ہوتے اور عوام بیچارے ویسے کے ویسے رہ جاتے ہیں۔ اس وقت اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ واقعاتِ کربلا کے ساتھ ساتھ مقصد شہادت امام حسین علیہ السلام پُرتاثیر انداز میں بیان کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ عزاداری شہدائے کربلا کے وہی مقاصد ہونے چاہئیں جو امام علیہ السلام کی شہادت کے مقاصد تھے۔ اس ضمن میں ہم بزرگ علمائے کرام سے یہ گزارش کریں گے کہ سال میں دو چار بار ملک گیر سطح پر واعظین وذاکرین اور بانیانِ مجالس عزا کے لیے تربیتی پروگرام ترتیب دیے جائیں اور اصلاحِ منبر کے لیے تجاویز وآراء پر عمل درآمد کے مواقع مہیا کیے جائیں۔ اصلاحِ عزاداری اور درستگی عقائد کے لیے ہنگامی بنیادوں پر جدوجہد کی ضرورت واضح اور عیاں ہے۔ ہمارے ذاکرین وواعظین کو چاہیے کہ سنی سنائی اور گھڑی ہوئی روایات پڑھنے کی بجائے اردو زبان میں واقعات کربلا پر کافی کتب دستیاب ہیں، مطالعہ کی عادت بنا کر عوام الناس کی تربیت کے حقیقی مواقع فراہم کریں۔

بزرگ اور محقق علمائے کرام مجالس عزا کے لیے موضوعات متعین فرما کر واعظین وذاکرین کے لیے ان کتب کی نشاندہی فرمائیں جن میں درست واقعات کربلا تحریر ہیں۔

ہمارے ذاکرین و واعظین کا کوئی مکتب اور مرکز نہیں ہے جس سے تربیت حاصل کر کے رونق افروز منبر ہوں۔ ذاکرین وواعظین کے ایسے مراکز قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ نیز آمد ایام عزا سے پہلے مدارس دینیہ میں دس روزہ تربیتی پروگرام کے انعقاد سے دوررس نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واعظین وذاکرین اور بانیانِ مجالس کو دولت اخلاص نصیب فرما کر بلندی درجات عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبیؐ وآلہ الطاہرینؑ

باب العقائد

علماء حق کی ذمہ داری اور اس سے عہدہ برآری

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر نقصان وزیاں علماء سوء اور علماء دنیا یعنی درباری وسرکاری بالفاظِ دیگر پیٹ کے پجاری ملاؤں نے پہنچایا ہے اتنا کسی دشمن نے بھی نہیں پہنچایا۔ انہی لوگوں کی تنگ نظری، کم ظرفی فتنہ سامانی اور دین وفتویٰ فروشی کو دیکھ کر اقبال نے کہا تھا:

مجھ کو تو سکھلا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملاں ہیں کیوں ننگ مسلمانی

بہر نوع ہوئے زمانہ جس قدر تندو تیز ہو اور فضا جس قدر مکدر اور دبیز، علمائے حق کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے اور نہ ہی وہ اپنے شرعی وظائف وفرائض اور مذہبی و منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت ولا پرواہی برت سکتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کام یہ نہیں ہے کہ:

اگر زمانہ با تو نسازد تو بہ زمانہ بساز

بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ:

اگر زمانہ با تو نسازد تو بزمانہ ستیز

تاکہ:

یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

وہ جانتے ہیں کہ کتمانِ حق وہ گناہِ کبیرہ ہے کہ جس کے مرتکب پر خدائے قہار نے قرآن میں لعنت کی ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت و الھدیٰ من بعد ما بینّٰہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللٰعنون (سورہ البقرہ)

"جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"۔ (ترجمہ مقبولؒ)

ایک اور جگہ ان الفاظ کے ساتھ وعید وتہدید فرمائی ہے:

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب و یشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یأکلون فی بطونھم الا النار و لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ و لا یزکیھم و لھم عذاب الیم۔ (بقرۃ)

وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور خدا ان سے قیامت کے دن نہ بات کرے گا نہ ان کو پاکیزہ فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ مقبولؒ)

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق چھپانے اور اس پر پردہ

باقی صفحہ ۳۹ پر

باب الاعمال

تقلید ایک فطری چیز ہے اور ناگزیر حقیقت ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

ارباب عقل و اطلاع پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ① عقائد ② احکام۔ اصول عقائد میں چونکہ علم و یقین حاصل کرنا ضروری ہے جو تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے بناء برقول مشہور و منصور اصولِ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے۔ باقی رہے احکام از قسم عبادات و معاملات وغیرہ تو ان میں ضروری ہے کہ ہر مکلف مجتہد ہو یا مقلّد یا محتاط۔ یعنی یا تو اس قدر علمی لیاقت کا مالک ہو کہ خود قرآن و حدیث سے استنباط کر کے ہر ہر مسئلہ کا حل معلوم کر سکے، یا پھر جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کرے، یعنی اس کے حکم کے مطابق عمل کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ اسے اپنی شرعی تکلیف سے بری الذمہ ہونے کا یقین حاصل ہو جائے۔

تقلید فطری چیز ہے

بعض لوگ تقلید کے نام سے بدک جاتے ہیں، ان کے اضافہ معلومات کی خاطر واضح کیا جاتا ہے کہ تقلید نہ کوئی پیری مریدی ہے نہ کوئی بیعت اور نہ ہی مجتہد و مقلّد کا رشتہ نبی و امت یا امام و ماموم والا ہے۔ بلکہ وہ صرف ایک فطری تقاضے کی تکمیل ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ خدائے رحمٰن نے حضرت انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص تن تنہا اپنے تمام امور معاش و معاد کو انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اپنے بنی نوع انسان کے تعاون کا محتاج ہے۔ مثلاً جو شخص خود طبیب یا ڈاکٹر نہیں علاج کے لیے ڈاکٹر کی طرف، جو خود وکیل نہیں وہ مقدمہ کے لیے وکیل کی طرف اور جو معمار نہیں وہ مکان تعمیر کرنے کے لیے معمار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ ہر شخص جو چیز خود نہیں جانتا اس میں وہ اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرتا ہے، بعینہٖ یہی کیفیت دینی عبادات و معاملات کی ہے۔ چونکہ شریعت کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل کرنے کے لیے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا جو شخص خود براہِ راست قرآن و حدیث سے علم حاصل نہیں کر سکتا، یعنی مجتہد نہیں ہے اس پر لازم ہوگا کہ بطور مقدمہ واجب، یا تو بموجب "فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون" مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ برائت ذمہ کا یقین ہو جائے۔

احتیاط کی وضاحت

مثلاً ایک عمل کے متعلق علماء دین میں اختلاف ہے بعض اسے واجب قرار دیتے ہیں اور بعض مستحب تو، وہ اسے ضرور بجالائے۔ اسی طرح بعض علماء ایک فعل کو حرام

قرار دیتے ہیں اور بعض صرف اسے مکروہ جانتے ہیں، تو وہ اسے ہرگز نہ بجالائے۔ یا بعض مقامات پر بعض علماء نماز قصر کا حکم دیتے ہیں اور بعض تمام کا، تو یہ قصر و اتمام ہر دو کو جمع کرے، تاکہ اسے اپنے شرعی وظیفہ کی انجام دہی کا علم ویقین حاصل ہوجائے۔

اس بیان سے یہ بات واضح وعیاں ہوجاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بھی اصولیوں واخباریوں کی نزاع (دیگر اکثر مسائل کی طرح) محض نزاع لفظی پر مبنی ہے، نام خواہ مُجتہد و مُقلّد رکھا جائے یا عالم و مُتعلّم یا مبصر و مُستبصر، یا فقیہ و مُتفقہ۔ اس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور جہاں تک لفظ اجتہاد کے نام سے نفرت کا تعلّق ہے یہ بے جا ہے کیونکہ مقدمہ کتاب میں واضح کردیا گیا ہے کہ ہمارے اور دوسری اسلامی برادری کے اجتہاد میں یہ بنیادی فرق ہے کہ ہمارا اجتہاد صرف قرآن اور سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان کے مرکز ومحور کے اردگرد گھومتا ہے جبکہ دوسروں کے اجتہاد میں اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ جائز الاعتماد ہیں۔ جس اجتہاد وتقلید کی بعض اخبار سے مذمت مترشح ہوتی ہے اس سے یہی دوسری قسم کا اجتہاد وتقلید مراد ہے جو ائمہ اطہارؑ کے دور میں مخالفین میں رائج تھا۔ فلا تغفل

مرجع تقلید کے شرائط کیا ہیں

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ مرجع تقلید میں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟ سو واضح ہو کہ جو کچھ خدا کے کلام اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان سے واضح وعیاں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرجع تقلید میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

① فقاہت واجتہاد۔ یعنی پیش آمدہ مسائل کو ان کے مدارک و مآخذ (قرآن و حدیث) سے استنباط کرنے کی پوری اہلیت ولیاقت رکھتا ہو۔
② صحت اعتقاد، یعنی صحیح اثناعشری عقائد کا حامل ہو۔
③ امور قبیحہ سے اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو۔
④ ان چیزوں سے اپنے دین کو بچانے والا ہو جو انسان کو بے دین بنادیتی ہیں۔
⑤ ہوا و ہوس نفس امارہ کی مخالفت کرنے والا ہو۔
⑥ اپنے مولا و آقائے حقیقی خداوند عالم اور اس کے ساتھ ساتھ رسولِ خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کا مُطیع و فرمانبردار ہو۔

انہی آخری چار مذکورہ بالا شرائط کے مجموعہ کا نام ہے ''شرعی عدالت'' یعنی اس کے اندر ایسا ملکہ ہو (کہ جان بوجھ کر) واجبات کو ترک نہ کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔ الغرض گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب اور گناہانِ صغیرہ پر اصرار نہ کرے اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت ایسا ہوجائے تو فوراً توبۃ النصوح کرلے۔

یہ تمام شرائط امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول شدہ حدیث شریف کے اندر بالتفصیل مذکور ہیں۔ فرماتے ہیں: ''اما من کان من الفقهاء صائنا لنفسه حافظا لدینه مخالفا لهواه، مطیعا لامر مولاه فللعوام ان یقلدوه'' یعنی فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کو بچانے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، اپنی خواہشات کی مخالفت کرنے والا اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو۔ عوام کو اس

باقی صفحہ ۳۹ پر

باب التفسیر

عدل بین النساء کی دو قسمیں ہیں ایک ممکن دوسری ناممکن

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَ اِنِ امۡرَاَۃٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِہَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَہُمَا صُلۡحًا ؕ وَ الصُّلۡحُ خَیۡرٌ ؕ وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۱۲۸﴾ وَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَ لَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡہَا کَالۡمُعَلَّقَۃِ ؕ وَ اِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۲۹﴾

(سورۃ النساء: ۱۲۸ و ۱۲۹)

ترجمۃ الآیات

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے حق تلفی یا بے توجہی محسوس کرے تو ان دونوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ (کچھ لو کچھ دو کی بنا پر) آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہر حال بہتر ہے اور نفوس میں بخل موجود رہتا ہے (تنگ دلی پر آمادہ رہتے ہیں) اور اگر تم بھلائی کرو، اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تمہارے اس طرزِ عمل سے باخبر ہے (۱۲۸)

یہ ٹھیک ہے کہ تم جس قدر چاہو مگر بیویوں میں پورا پورا عدل نہیں کر سکتے۔ مگر بالکل تو ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ (دوسری کو) بیچوں بیچ لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو، اور تقویٰ اختیار کرو تو خدا بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (۱۲۹)

تفسیر الآیات

وَاِنِ امۡرَاَۃٌ ...... الایہ

"ناشزہ" کی لفظ عموماً اس عورت کے لیے استعمال ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے واجبی حقوق ادا نہ کرے، اس سے وہ ناشزہ (نافرمان) قرار پاتی ہے اور پھر شوہر سے نان و نفقہ حاصل کرنے کی حقدار نہیں رہتی۔ مگر قرآن نے شوہر کے لیے "نشوز" کی لفظ استعمال کر کے یہ بات واضح کی ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے واجبی حقوق از قسم نان و نفقہ اور ازدواجی تعلقات وغیرہ ادا نہ کرے تو وہ بھی "ناشز" قرار پاتا ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَہُمَا

ان کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آپس میں صلح کر لیں، اس حکم میں "فلا جناح" کی وہی حیثیت ہے جو "فلا جناح ان یطوف بھما" اور "لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوۃ" میں ہے کہ جو حج بیت اللہ کرے اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ جبکہ یہ طواف (سعی) واجب ہے اور مسافر کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ نماز قصر کرے۔ حالانکہ قصر کرنا واجب ہے، تو بالکل اسی طرح اگر میاں

بیوی میں نزاع ہوجائے اور شوہر سے حق تلفی و بے التفاتی کا اندیشہ دامنگیر ہوجائے تو ان کے لیے صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کی بنا پر باہمی صلح وصفائی کرنا واجب ہے۔ کیونکہ بموجب ارشادِ قدرت "اَلصُّلحُ خَیرٌ" صلح بہرحال بہتر ہے۔ کیونکہ ع

در اصل لذتے است کہ در انتقام نیست

اس کی تفسیر حضرت امام رضا علیہ السلام سے یوں مروی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور جب عورت کو اس کا علم ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تو مجھے طلاق نہ دے اور مجھے شریکوں کی شماتت سے بچا، اور اس کے عوض میں تجھے اپنے حقوق معاف کرتی ہوں، اور تو اگر اس قسم کے شرائط پر میاں بیوی صلح کرلیں تو یہ جائز ہے۔ (تفسیر عیاشی، برہان وغیرہ)

وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ

شح کا مفہوم

حرص و آز تمام نفوس کے سامنے ہمیشہ حاضر رہتا ہے، وہ حرص و لالچ ہے جس میں بخل کی بھی آمیزش ہو اسے عربی زبان میں "شح" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ وہ صفت رذیلہ ہے جس میں بخل اور حرص ہر دو کی رذالتیں یکجا جمع ہیں۔ بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا و سزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ بخل کا انجام جہنم ہے۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ جو شخ کی پیروی کرے گا، وہ ہلاک و برباد ہوجائے گا۔ "ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون" اور جو شخص اپنے نفس کے حرص و بخل سے بچایا گیا، وہی لوگ کامیاب ہیں۔ یہاں مُتعلقہ مسئلہ میں "شح" سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی بھی خودغرض اور مفاد پرستی سے خالی نہیں ہے۔ اور کوئی فریق بھی اپنے فائدہ سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہ اپنا فائدہ تلاش کرتا ہے وہ اپنا۔ نہ بیوی اپنا حق معاف کرنے پر آمادہ ہے اور نہ شوہر اسے رکھنے اور اس کے حقوق ادا کرنے پر تیار۔ مگر مصالحت کے لیے جہاں کچھ لینا پڑتا ہے، وہاں کچھ دینا بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ صلح ہمیشہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کچھ حقوق بیوی چھوڑ دے گی اور کچھ حقوق شوہر ادا کرنے پر آمادہ ہوجائے گا، تو مصالحت کی کوئی سبیل پیدا ہوجائے گی۔ اور جب خاوند حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کرے گا، اور پرہیزگاری اختیار کرے گا تو یقیناً اصلاحِ احوال ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وَلَن تَسْتَطِيعُوا۔ الآية

عدل کی دو قسمیں ہیں

ایک ممکن ہے اور دوسری ناممکن

قدیم الایام سے مخالفین اسلام یہاں یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس سورہ کے آغاز میں خدا فرماتا ہے کہ تم بے شک دو دو تین تین اور چار چار پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرو، بشرطیکہ ان میں عدل کرو۔ اور اگر اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کرو گے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفا کرو۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر عدل کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں اللہ کے کلام سے مُستفاد ہوتا ہے کہ خاوند جس قدر حرص کریں وہ عدل کر سکتے ہی نہیں ہیں۔ اس طرح قرآن میں اختلاف ہوجائے گا۔ حالانکہ خداوند نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل ہی یہ پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔

"ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا"

تو اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ:

عدل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ممکن اور دوسری ناممکن۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی بیویاں ایک سے زیادہ ہوں، اس کے لیے ایک عدل تو ممکن ہے اور وہ ہے کہ ازدواجی حقوق کی مساوی طور پر ادائیگی، جیسے راتوں کی تقسیم، نان ونفقہ کی ادائیگی، اور اس میں بھی مساوات ویکسانیت کہ، روٹی ایک ہی قسم کی ہو اور کپڑا بھی ایک ہی قسم کا۔ یہی وہ عدل ہے جو ایک سے زائد عقد وازدواج کے جواز کے لیے ضروری ہے اور یہ ممکن ہے اور وہ عدل جو ناممکن ہے، وہ ہے قلبی محبّت اور دلی لگاؤ میں یکسانی۔ جو بیویوں کی عقل وشکل، سیرت وصورت، صحت مرض، عمل وکردار اور روش ورفتار کے اختلاف و تفاوت کی وجہ سے قلبی میلان اور طبعی رجحان کا اختلاف تو ایک فطری چیز ہے کہ ایک طرف رغبت زادہ ہوگی اور دوسری طرف کم۔ جس پر کسی طرح بھی قابو نہیں پایا جاسکتا۔ خالق فطرت نے یہاں اسی فطری تفاوت کا تذکرہ کیا ہے کہ اگرچہ تم بڑی خواہش بھی کرو مگر تم اس قسم کا عدل نہیں کر سکتے۔

پس یہ عدل ممکن نہیں ہے۔ تو پھر یہ شرعاً واجب بھی نہیں ہے۔ بنا بریں بعض تجدد پسند لوگوں کا پہلی آیت کے حکم کے ڈانڈے اس آیت سے ملانا اور یہ کہنا کہ تعدد ازدواج کا جواز عدل سے مشروط ہے اور عدل ناممکن ہے۔ اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کرنا کہ پس اسلام میں تعدد ازدواج کے لیے لازمی ہے وہ اور ہے اور وہ ممکن ہے اور جو عدل ناممکن ہے وہ اور ہے، اور یہ تعدد جواز کی شرط نہیں ہے۔

بہرحال خداوند حکیم یہاں یہ حکم دے رہا ہے کہ قلبی محبّت اور دلی لگاؤ میں یکسانی تو تمھارے لیے ممکن نہیں ہے۔ تو پھر ایسا تو نہ کرو کہ بالکل ایک طرف یعنی پسندیدہ بیوی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری یعنی ناپسندیدہ کو درمیان میں لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اور اس کے ظاہری حقوق زوجیت اس طرح پامال کردو کہ وہ یوں مُعلّق ہوکر رہ جائے کہ اپنے کو شوہردار محسوس کرے اور نہ غیر شوہردار؟ یہی وہ تفسیر ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو جعفر احول (مومن طاق) کے سوال پر بیان فرمائی ہے۔ جب کہ ابو جعفر کے سامنے ایک دہریہ نے ان دو آیتوں کو پیش کر کے تضاد کا الزام لگایا تھا۔ اور امامؑ نے اس طرح اس کا ازالہ فرمایا تھا۔

(تفسیر قمی ومجمع البیان)

مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، جس دن ایک بیوی کی باری ہوتی تھی تو آپ دوسری کے گھر میں وضو بھی نہیں کرتے تھے۔

(مجمع البیان)

باب الحدیث

اہلِ ایمان کی ملاقات وزیارت کی فضیلت کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

① محمد بن عبداللہ جعفی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو مومن اپنے گھر سے کسی اہلِ ایمان کی زیارت اور ملاقات کے لیے اس کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے نکلے تو اس کے ہر ہر قدم پر خداوند عالم اس کے لیے ایک ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک ایک برائی مٹاتا ہے۔ اور اس کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ اور جب (مومن کے گھر پہنچ کر) دق الباب کرتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور جب دونوں مومن ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ اور معانقہ کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کی طرف خاص توجہ فرماتا ہے اور بزم ملائکہ ان پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرے بندوں کی طرف نگاہ کرو کہ کس طرح حق و صدق کے ساتھ ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہیں، میرے اوپر لازم ہے کہ اس کے بعد کبھی ان کو آتش دوزخ کا عذاب نہ کروں۔ اور جب ملاقات کر کے مومن واپس جاتا ہے تو اس کے سانسوں اور قدموں کے برابر فرشتے اس کی مشایعت کرتے ہیں، اور اس کی دنیاوی مُصیبتوں اور آخرت کی ہلاکتوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں...... تا آخر حدیث...... جو کہ طویل ہے۔ (اصول کافی)

② ابوحمزہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: جب کوئی بندہ مومن محض خوشنودیٔ خدا کے لیے اپنے مومن بھائی کی ملاقات کی خاطر گھر سے نکلے (نہ کسی اور غرض کے لیے) تو خداوند عالم ستر ہزار فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اعلان کریں کہ تو مبارک ہے اور تیرے لیے جنّت مبارک ہے۔ (اصول کافی)

③ جناب جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے ایک فرشتہ زمین پر بھیجا اور وہ چلتے چلتے ایک گھر کے دروازہ پر پہنچا اور دیکھا کہ ایک آدمی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ فرشتہ نے پوچھا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا ملاقاتِ مومن کے لیے۔ فرشتہ نے کہا: اور کوئی مقصد نہیں ہے؟ کہا کہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔ اس پر اس فرشتہ نے کہا کہ میں خداوند عالم کی طرف سے ایلچی بن کر آیا ہوں، وہ تجھے سلام بھی کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تیرے لیے جنّت واجب ہے۔ (اصول کافی)

④ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: جب کوئی بندہ مومن کسی مومن کی اللہ فی اللہ زیارت کرے تو اس سے خدا فرماتا ہے کہ گویا تو نے

باقی صفحہ ۳۹ پر

سوال: عزاداری کی مثالی شکل اور خدوخال کیا ہیں۔ اگر مروجہ رسومات جو علاقائی روایات کی مرہونِ منت ہیں، یکسر عزاداری سے باہر نکال دی جائیں تو عزاداری کی کیا شکل وصورت رہ جائے گی، جو رسومات وروایات سے پاک ہو اور خالصۃً عزاداری کہلا سکے۔ کیا ان رسومات سے اجتناب کرکے کوئی مومن عزادار کہلا سکتا ہے۔

جواب، باسمہ سبحانہ: عزاداری کی مثالی شکل و صورت اور اس کے خدوخال وہی ہیں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ اہل بیتؑ کے ادوار میں تھے مثلاً مظلوم کربلا کی صف ماتم بچھائی جائے اور علاقہ کے اہلِ ایمان کو اطلاع دی جائے، اور مقررہ وقت پر کوئی خطیب ان مظالم، جو مظلومِ کربلا پر ڈھائے گئے، اور ظالموں کو بےنقاب کرکے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام عالی مقام کی شہادت کا مقصد بیان کرے اور جب یہ ثابت ہوجائے کہ آپ نے یہ سب کچھ دین اسلام کی بقاء اور امت محمدیہ کی فوز وفلاح کے لیے کیا ہے تو پھر دین اسلام کے اصول وفروع اور اس کے تعلیمات مقدسہ کا تذکرہ کیا جائے۔ جس میں بقدر ضرورت اہلِ بیتؑ کے فضائل اور ان کے دشمنان کے رذائل کا بھی تذکرہ کیا جائے اور سب سے بڑھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے۔ سید الشہداءؑ کی عزاداری غلط رسوم وقیود اور جاہلی ادوار کی روایات کی محتاج نہیں ہے۔ اور اگر بعد والے ائمہ اور اہلِ ایمان عزادار حسینؑ کہلا سکتے تھے تو ہم کیوں نہیں کہلا سکتے۔ ع

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

ہاں البتہ اگر عزادارانِ حسین جلوس نکالیں جس میں عزاداروں کا سادہ طرز میں مظلوم کربلا کے مصائب اور ظالموں کے ظلم کا تذکرہ کیا جائے، عامۃ الناس اور جلوس کو دیکھنے والے لوگ ظالم سے نفرت کریں اور مظلوم سے الفت تو یہ بات مقصد عزاداری کے لیے سونے پر سہاگا کا کام دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس جلوس میں کسی منکر اور خلاف شرع کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً خواتین نہ ہوں اور اگر ہوں تو باپردہ ہوں۔ نماز یا کسی دوسرے رکن دین کو ضائع نہ کیا جائے، بلکہ جب اور جہاں نماز کا وقت فضیلت داخل ہوجائے وہیں جلوس روک کر کربلا والوں کی تقلید وتاسی میں نماز ادا کی جائے۔ تاکہ عزاداری کی تاثیر دوبالا ہوجائے اور حق کو بول بالا اور باطل کا منہ ہمیشہ کے لیے کالا ہوجائے۔

نوٹ: اور اگر بعد مکانی وزمانی کی وجہ سے عزادار کوئی

شبیہ بنانا چاہیں جیسے روضہ سید الشہداءؑ کی شبیہ اور سرکار وفا کے علم کی شبیہ جو بے جان کی بے جان ہونے یا سرکار امام عالی مقام کے گھوڑے کی شبیہ ذوالجناح جو جاندار کی جاندار شبیہ ہونے کی بنا پر بننا جائز ہے تو بنا سکتے ہیں، تاکہ واقعہ کربلا کو تمثیلی شکل میں پیش کیا جائے، بشرطیکہ ان پر کوئی حرام کام نہ کیا جائے جیسے سجدہ یا چڑھاوے اور منت وغیرہ۔

سوال: توکل کا صحیح مقام اور تعریف کیا ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں اکثر لوگوں نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ اکثر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی مقصد کے حصول کے لیے کوئی عملی جد و جہد نہ کرے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور خدا پر بھروسا کرے، جبکہ یہ بات غلط ہے۔ یہ عالم اسباب ہے۔ ہر چیز سبب و مُسبّب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا جب آدمی کوئی مقصد حاصل کرنا چاہے تو اس کے حصول کے جو اسباب ہیں ان کو فراہم کرے۔ مگر ان کو کامیابی کی کلید نہ سمجھے بلکہ اپنے خالق و مالک پر بھروسا کرے، اگر اس کو منظور ہو تو اسباب اپنا اثر دکھائیں گے، ورنہ سب کچھ دھرا رہ جائے گا۔ پس جد و جہد کرنے اور نتیجہ خدا کے حوالے کرنے کا نام توکل ہے۔ فعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔ مومنوں کو اپنے اللہ پر توکل و اتحاد کرنا چاہیے۔ ونعم ماقیل

گفت پیغمبرؐ باآوازِ بلند
بر توکل زانوئے اشتر ببند

☆

سائل: عابد حسین ممتر از حیدر آباد تھل

سوال: میں نے پڑھا ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے مرتے دم اپنی مادر گرامی کو اپنا وصی قرار دیا تھا اور یہ کہ آپ نے کسی بیٹے کا نام نہیں لیا، اگر کوئی بیٹا ہوتا تو اپنی وصیت کے ضمن میں اس کا نام بھی درج کرتے تاکہ میراث سے محروم نہ رہے (انتقال کے بعد آپ کا مال والدہ اور بھائی میں تقسیم ہوا۔ اصول کافی)

جواب، باسمہ سبحانہ: یہ سب کارروائی شدت تقیہ اور امام وقت کے وجود مقدس کی حفاظت کی خاطر عمل پیرا ہوئی تھی۔

سوال: امام حسن عسکریؑ نے شادی کو کیوں مخفی رکھا، اس کی وجہ بیان کریں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: امام نے اپنی شادی کو بالکل مخفی نہیں رکھا تھا۔ ع

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

سوال: امام زمانہؑ آج تک ظاہر دنیا پر حکومت کر رہے ہوتے یہ کیوں نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ان کی ہر طرح حفاظت کر سکتا تھا۔

جواب، باسمہ سبحانہ: اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کی مصلحت خود بہتر جانتا ہے، کیونکہ وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ ولا یسئل عما یفعل و هم یسئلون۔ جب اس کی حکمت تقاضا کرے گی تو وہ امام کو حکم ظہور دے دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

سوال: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اپنی وصیت میں پانچ اشخاص میں منصور عباسی خلیفہ وقت

کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: اس وقت شدت تقیّہ کی وجہ سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ذات گرامی صفات کو سخت خطرات کا سامنا تھا۔ اس مقصد کی خاطر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا کیا تھا، تاکہ یہ خطرہ ٹل جائے۔

سوال: واجب نماز پڑھ رہے ہوں، محمد ﷺ کے نام کی کانوں میں آواز پڑ جائے تو قرائت روک کر درود پڑھ سکتے ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: نہ صرف پڑھ سکتے ہیں بلکہ ضرور پڑھنا چاہیے۔

سوال: اہلِ سنت کا عالم تقریر کر رہا تھا کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کھجوریں کھا رہے تھے۔ آپ کھجوروں کی گٹھلیاں زمین میں بوتے گئے اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ آپ لوٹے سے پانی دیتے جائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کھجوریں بڑی ہو گئیں اور کھجوریں پک کر گرنے بھی لگیں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: اگر کوئی ایسا مُعجزہ خدا نے پیغمبر اسلام ﷺ کے مقدس ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہو، کیا اشکال ہے؟ جبکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ مُعجزہ کا فاعل خدائے خبیر و قدیر ہوتا ہے اور ظاہر اس لیے کرتا ہے تاکہ ان کی صداقت پر مہر تصدیق لگ جائے۔ اس میں لوٹے سے پانی دینے والوں کا کوئی دخل عمل نہیں ہے۔ کما لا یخفیٰ

سائل: مظہر علی کھرل جھنگ صدر

سوال: نماز پنجگانہ کے نوافل میں صرف سورہ حمد پر اکتفا کر سکتے ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: ہاں، ایسا کرنا جائز ہے۔

سوال: تیسری اور چوتھی رکعت میں تسبیح اربعہ کا صرف ایک مرتبہ پڑھ لینا بھی کافی ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: ہاں کافی ہے مگر احوط اور افضل یہ ہے کہ تین مرتبہ پڑھی جائیں۔

سوال: جن افراد پر نماز جمعہ ساقط ہے اگر وہ نماز جمعہ کے لیے مسجد میں پہنچ جائیں تو وہ جمعہ کی نماز کس نیت سے پڑھیں؟ نماز جمعہ کے بعد نماز ظہر بھی پڑھنی ہوگی؟

جواب، باسمہ سبحانہ:

اگر خود بخود پہنچ جائیں تو پھر وجوب کی نیت سے پڑھیں گے، اور اگر نماز جمعہ اپنے مقررہ شرائط کے ساتھ پڑھ لی جائے تو پھر نماز ظہر پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ جو افراد جمعہ میں شریک نہیں ہو پاتے اور ظہر اور عصر کی نماز جمعہ کی نماز کے وقت میں ادا کرتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ پہلی اور دوسری رکعت میں پڑھی جانے والی سورتوں کو بالجہر پڑھیں۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: نماز جمعہ تو بالاتفاق جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور جو شخص جمعہ کے دن کسی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے تو اس کے لیے نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں جہر کرنا مُستحب ہے۔ مگر عصر کی نماز میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: آسانی کی خاطر استبراء میں درمیانی انگلی کے علاوہ کسی اور انگلی کا استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: ہاں ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔

سوال: ہم جانتے ہیں تمام اعمال اور عبادات کو اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور قرب کے حصول کے لیے انجام دینا چاہیے۔ یہی عبادت کا اصل مقصد ہے۔ وضو، غسل اور نماز، روزہ وغیرہ کے عمل کو شروع کرنے کے لیے نیت کی جاتی ہے۔ کتابوں میں بھی نیت کے جملے کے الفاظ کو لکھ دیا گیا ہے۔ اور مولوی صاحبان سے بھی جب پوچھا جاتا ہے کہ (مثلاً) فجر کی نماز کی نیت کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: ''دو رکعت نماز پڑھتا ہوں فجر کی واجب قربۃً الی اللہ'' آپ نے اسلامی نماز میں نیت کے بیان میں لکھا ہے کہ نیت کے ان الفاظ کو زبان سے پڑھنا بالکل غلط ہے۔ یہ بات تو ہماری سمجھ میں آجاتی ہے۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کا دل اور دماغ میں تصور کرنا بھی نیت نہیں ہے۔ وہیں نیت کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ نیت کا تعلق دل سے ہے۔ نیت دل سے کی جاتی ہے۔ لہٰذا وضو ہو یا غسل، نماز ہو یا روزہ یا دیگر اعمال و عبادات، ان کی نیت دل سے کرنی چاہیے۔ آپ کے نزدیک نیت کے الفاظ کا دل اور دماغ میں تصور کرنا غلط ہے۔ جبکہ دل اور دماغ کا کام ہی تصورات پیدا کرنا ہے۔...... قبلہ محترم! سوال یہ ہے کہ (بغیر تصور کے) دل والی نیت کیا ہے؟ اور کیسے کی جاتی ہے؟ برائے مہربانی جواب آسان الفاظ میں تفصیل کے ساتھ لکھیں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: نیت کی مختصر بحث اسلامی نماز میں اور اس کی تفصیل قوانین الشریعہ میں مذکور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آدمی کس ارادہ سے نماز پڑھ رہا ہے، یا وضو و غسل کر رہا ہے؟

اس کا تعلق آدمی کے دل و دماغ سے ہے کہ وہ یہ کام خدا کی خوشنودی کے لیے کر رہا ہے، یا لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ ان لفظوں کے زبان سے ادا کرنے کا ان کا تصور کرنے سے نہیں ہے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سوال: سر کا مسح کرتے وقت عرض کی بجائے تین انگلیاں جوڑ کر طول میں مسح کرنا بھی درست ہے جبکہ اس میں وضو کرنے والا اپنے لیے آسانی بھی سمجھتا ہو۔

جواب، باسمہ سبحانہ: ہاں ایسا کرنا بھی جائز ہے بس مسح کرنے کا نام صادق آئے تو یہ کافی ہے۔

سوال: پاؤں کا مسح کرتے وقت ہاتھ کی انگلیاں یا کوئی ایک انگلی زمین سے لگ جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: نہیں، کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: بیٹی جو کہ شادی شدہ مگر بے اولاد ہے، اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہو جاتی ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد باپ بھی فوت ہو جاتا ہے، وراثت میں اس مرحومہ بیٹی کا بھی حصہ ہوگا۔ اگر ہوگا تو پھر اس کا وارث کون ہوگا؟

جواب، باسمہ سبحانہ: اس صورت میں اس لڑکی کی نصف جائداد کا وارث اس کا شوہر ہوگا اور نصف کے اس کے ماں باپ (اگر دونوں وارث نہ ہوں) ہی اکوئی ایک (صرف وہ زندہ ہو) مذکورہ صورت میں لڑکی کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

سوال: باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بیٹے مکان فروخت کر دیتے ہیں۔ حاصل ہونے والی رقم سے ایک

بیٹا کاروبار کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع سے نیا مکان خرید لیتا ہے۔ کیا باقی وارث صرف مکان میں حصہ دار ہیں؟ یا کاروبار میں بھی ان کا حصہ ہے؟ جبکہ گھریلو اخراجات میں دوسرے بھائی بھی برابر حصہ دیتے ہیں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: جب کاروبار کیا ہی مکان فروخت کر کے اس کی قیمت سے ہے اور وہ قیمت سب کی مشترکہ ہے تو اصولی طور پر تو کاروبار بھی مشترکہ ہونا چاہیے اور نفع و نقصان بھی۔ البتہ کاروبار کرنے والا اپنا حق زحمت لے سکتا ہے۔ واللہ العالم

سوال: تمام بھائی جو ابھی اکٹھے ہیں، ان میں سے ایک اپنے جیب خرچ سے انعامی بانڈ خریدتا ہے، انعام لگنے کی صورت میں باقی بھائی بھی انعام کی رقم میں حصہ دار ہوں گے؟

جواب، باسمہ سبحانہ:

چونکہ اس نے وہ بانڈ جیب خرچ سے خریدا ہے، لہٰذا انعام اسی کا متصوّر ہوگا۔

بقیہ باب الحدیث

میری زیارت کی ہے، اور میں بطور جزا جنّت کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہیں ہوں۔ (اصول کافی)

۵ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے مومن بھائی کے گھر جا کر اس کی زیارت کرے تو خداوند عالم اس سے فرماتا ہے کہ تو میرا مہمان ہے۔ اور میرا زائر ہے اور میں نے تیرے لیے جنّت واجب قرار دے دی ہے۔

(اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ

باب الاعمال

کی تقلید کرنا جائز ہے۔ (احتجاج طبرسی وغیرہ)

ایسے ہی شخص کو مجتہد جامع الشرائط کہا جاتا ہے۔

و ذلک لا یکون الا بعض فقہاء الشیعۃ لا کلہم۔ کما لا یخفیٰ۔

آفاق ملانہ گڑھ مہاراجہ (جھنگ)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں دولت کی ریل پیل ہو جائے، اس معاشرے سے اخلاقی اقدار کا "کریاکرم" ہو جایا کرتا ہے۔ اس کا ثبوت برگر فیمیلیز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جہاں شرم و حیا دقیانوسیت اور "برقعہ نانی اماں کے زمانے کا فیشن قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ دور کمرشل ازم کا دور ہے۔ جہاں افعال بھی کمرشل ہیں اور سوچیں بھی، جب مطمحِ نظر دولت کا حصول ہو تو پھر حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز مٹ جایا کرتی ہے۔

حالانکہ مال و دولت کے سہارے حکومت کرنے والے آخر کار ندامتوں اور رسوائیوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ دولت، عزت پیدا نہیں کرتی، دولت، خوف پیدا کرتی ہے، اور خوف پیدا کرنے والا انسان معزز نہیں ہو سکتا۔ دولت کمانے کا لالچ انسان کو کہاں لے جاتا ہے یہ کوئی مسئلہ فیثا غورث نہیں، جو کسی کو سمجھ نہ آ سکے۔ دولت کا لالچ کوئی اچھی بات نہیں۔ اسلام دولت کمانے سے منع نہیں کرتا لیکن ساتھ کچھ شرائط عائد کرتا ہے کہ دولت کمانے کے ذرائع حلال ہوں اور مصرف بھی حلال ہو۔

کمرشل ازم کی مثال کے لیے یہ واقعہ کافی ہو گا کہ سعودی حکومت ہر حاجی کو ایک قرآن مجید دیا کرتی ہے، اگر حاجی کا تعلق افریقی ممالک سے ہو تو اس کو افریقی زبان کا ترجمہ شدہ قرآن اور اگر حاجی کا تعلق انگریزی زبان سے ہو تو اسے انگریزی زبان کا ترجمہ شدہ قرآن دیا جاتا ہے۔ اگر حاجی کا تعلق اردو زبان بولنے والے ممالک سے ہے تو اسے اردو زبان میں ترجمہ شدہ قرآن پیش کیا جاتا ہے۔

آج سے دس پندرہ سال قبل یہ سارے قرآن مجید، سعودی حکومت اٹلی سے چھپوایا کرتی تھی۔ اٹلی ایک عیسائی ملک ہے۔ بلکہ اٹلی کو آپ عیسائیوں کا سعودی عرب سمجھ لیں۔ اور ویٹی کن سٹی کو عیسائیوں کا مکہ مدینہ، جو عظمت مُسلمانوں کے دلوں میں سعودی عرب کی، اور مکہ و مدینہ کی ہے، وہی عظمت عیسائیوں کے دلوں میں اٹلی اور ویٹی کن سٹی کی ہے۔ کیونکہ ویٹی کن سٹی میں عیسائیوں کا پوپ اعظم رہتا ہے۔

بقول جان علی کاظمی: "آج بھی برمنگھم یونیورسٹی میں ایک سیل قائم ہے جس میں یہودی اور عیسائی سکالرز اس بات پر کام کر رہے ہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں تناقضات ڈھونڈے جائیں۔ یہ سارے سکالر عربی زبان کے ماہر ہیں"۔

ایک طرف تو عیسائی قرآن میں تضادات ڈھونڈ رہے ہیں اور دوسری طرف کمرشل ازم دیکھیے کہ قرآن چھاپنے کا بزنس بھی کر رہے ہیں۔ وہی پیسہ کمانے کی سوچ۔ یہ بات لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بزنس مین کو صرف پیسہ کمانے سے غرض ہوتی ہے۔ (اب تو خیر سعودی حکومت نے اپنی پریس لگالی ہے، اس میں سب قرآن مجید چھپتے ہیں)

آج سے چند سال پہلے لوگ یہ سوچتے تھے کہ چیز کھری بیچی جائے تاکہ خریدار شکوہ نہ کرے لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ چیز ایک بار بک جائے، پیسے ہماری جیبوں میں آجائیں، لوگ اس چیز سے مُستفید ہوتے ہیں یا نہیں، یہ ان کی بلا جانے۔

یہی سوچ اب بعض ناواقف تہذیب و شرافت پبلشرز میں بھی پروان چڑھ رہی ہے۔ وہ ایک کتاب کو مختلف ناموں سے چھاپ کر بیچ دیتے ہیں۔ سید مطہری کو شہید ہوئے پینتیس سال ہوگئے، لیکن ان کی کتابیں ''نعمت شاہ ولی کی پیش گوئیوں'' کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ایک ہی کتاب کو مختلف ناشر، مختلف ناموں سے شائع کر رہے ہیں۔ مواد وہی ہوتا ہے، صرف ٹائٹل بدل دیتے ہیں۔ مثلاً ایک نے ''اسلام اور عصر جدید'' کے نام سے شائع کردی، دوسرے صاحب اٹھے، انھوں نے ''اسلام اور دورِ جدید کے تقاضے'' کے نام سے شائع کردی۔ مواد سب میں ایک جیسا ہی ہے۔ اسے مہذب الفاظ میں چیٹنگ کا نام ہی دیا جاسکتا ہے۔

اب ایک اور ''ظلم'' ڈھایا جا رہا ہے (میرے پاس اس سے نرم لفظ نہیں ہے) مرحوم مصنّفین کی تصانیف میں تحریف کرکے شائع کی جا رہی ہیں۔ اغیار تو عرصہ دراز سے اس کام میں لگے ہوئے تھے کہ ''صحاح ستہ'' سے وہ روایات حذف کردی جائیں جن سے شیعہ ان کا ناطقہ بند کرتے ہیں۔ اب ہمارے اپنے لوگ بھی اس کام میں شامل ہوگئے ہیں، ہماری اپنی کتب میں ٹیمپرنگ کر رہے ہیں۔ کبھی پورے پورے باب غائب کردیے جاتے ہیں اور کبھی پیراگراف حذف کردیے جاتے ہیں۔ اور کبھی ان الفاظ کو بدل دیا جاتا ہے جو مرحومین نے لکھے ہوتے ہیں۔ غضب خدا کا یہ ناشر یا چھاپنے والے ٹائٹل پر لکھنا ہی گوارا نہیں کرتے کہ یہ ''تلخیص'' ہے، تاکہ پڑھنے والے کو علم ہوجائے کہ یہ اصل کتاب نہیں ہے بلکہ کتاب کا خلاصہ ہے۔

ہم اردو میڈیم مُسلمان ہیں۔ ہم نے جو تھوڑی بہت شُد بُد حاصل کی ہے وہ اردو کتب پڑھ کر ہی حاصل کی ہے۔ ہمارے لیے تو یہ اردو تراجم ہی ''منبع اور حجّت'' ٹھہرتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو ''من لا یحضرہ الفقیہ'' ''الخصال'' ''عین الحیات'' اٹھا کر دیکھ لے۔

''من لا یحضرہ الفقیہ'' کا ترجمہ عربی متن سے ملا کر دیکھ لیں۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ ابواب ہی غائب ہیں۔ ''الخصال'' کی صورت یہ ہے کہ احادیث غائب اور بعض احادیث آدھی آدھی لکھی ہیں۔

مرحوم سید اولاد حید رفوق بلگرامی نے ''اسوۃ الرسولؐ'' پانچ جلدوں میں لکھی تھی۔ جو مولانا شبلی نعمانی کی ''سیرت

النبی" کے جواب میں تھی۔ لیکن آج مارکیٹ میں "اسوۃ الرسول" کی تین جلدیں بک رہی ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان تین جلدوں میں پانچ جلدوں کا مواد ہے یا حسب روایت پیراگراف غائب

یہ "صلح کل" کے پرچارک پبلشرز، یہ کہہ کر پیراگراف غائب کردیتے ہیں کہ:

"اس پیراگراف سے فضا خراب ہوتی ہے"۔

کوئی ان سے پوچھے کہ بھگت کبیر صاحب! آپ کو کس حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ مرحوم مُصنّف کی تصانیف سے پیراگراف حذف کردو۔ اگر آپ کو کسی کے خیالات ،نظریات سے اختلاف ہے تو نیچے وضاحتی نوٹ لکھ دیں کہ اس فقرے کا مفہوم یوں سمجھا جائے۔ مگر کم از کم تحریف کرنے یا تفسیر بالرائے کرنے کے گناہ عظیم سے تو بچ جائیں گے۔

ہم ذاکرین کا رونا روتے تھے کہ وہ غلط روایات، من گھڑت واقعات بیان کرتے ہیں۔ اب تو خیر سے پرانی کتابوں مین قطع برید کر کے نئے نئے واقعات ایڈجسٹ کیے جا رہے ہیں۔ جس شک ہو "لہوف" کا پرانا ترجمہ بھی اٹھا کے دیکھ لے، اور جو نیا ترجمہ شائع ہوا ہے وہ بھی اٹھا کے آپس میں ملا لے۔ اسے خود بخود اندازہ ہوجائے گا۔

سو صفحے کی کتاب تین سو صفحے کی بنا دی گئی ہے۔ (کیا ہی دین کی خدمت ہے) ان دولت کے پجاریوں کے پیٹ کا جہنم تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی۔

ان مخرب دین لوگوں کی دیدہ دلیری اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ قرآن مجید کے تراجم میں بھی تحریف شروع کردی ہے۔ مولانا حافظ فرمان علی مرحوم (متوفی ۱۹۱۵ء) نے نہایت نیک نیتی سے توشہ آخرت سمجھ کر قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا۔ مولانا حافظ فرمان علی مرحوم دین دار، عقائد حقہ رکھنے والے عالم دین تھے۔ ان پیسے کے پجاریوں نے ان کے ترجمہ شدہ قرآن میں بھی ہیرا پھیری کردی۔

یہ دشمن تشیّع، دشمن دین پبلشرز جو کہ خدمت دین کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں (میں نے لبادہ کا لفظ اس لیے لکھا ہے کہ جب ان کے دفتر میں جاکر انگلی رکھ کر دکھایا کہ جو ترجمہ آپ نے شائع کیا ہے اس میں فلاں فلاں آیت، فلاں فلاں حاشیے میں تحریف کی گئی ہے، تو جواب میں فرمایا کہ: "بالکل کی ہے، ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے۔ جو ہوتا ہے کرلیں۔ ہم تو یہی کچھ چھاپیں گے"۔)

چوری اور پھر سینہ زوری، کوئی ان سے پوچھے کہ اگر آپ کا علم اتنا ہی بڑھ گیا ہے جو آپ کے سینے میں مچل رہا ہے تو مرحوم مترجم کے قرآن مجید کے ترجمے میں اپنے خیالات شامل نہ کریں، بلکہ آپ خود قرآن مجید کا ترجمہ کر ڈالیں۔ جہاں اردو زبان میں تقریباً قرآن مجید کے ایک سو بیس ترجمے موجود ہیں وہاں ایک آپ کا بھی سہی۔ لیکن یہ کہاں کی شرافت ہے کہ مرحوم مصنّفین کی تصانیف میں آپ اپنے نادر الوجود ناقص خیالات شامل فرمائیں اور ان کی نگارشات میں تصرف فرمائیں۔

مجھے حیرت تو اس بات پر ہو رہی ہے کہ قبلہ حافظ

ریاض حسین نجفی کی زیر سرپرستی چلنے والا ادارہ ''مصباح القرآن'' جس نے قوم شیعہ کو بہت سی عمدہ اور اہم کتب ترجمہ کر کے دیں۔ مثلاً تفسیر نمونہ، تفسیر موضوعی، احسن المقال اور تذکرۃ الاطہار وغیرہ۔ اس ادارہ نے بھی وہی محرف ترجمہ والا قرآن چھاپ ڈالا۔

ممکن ہے حافظ صاحب قبلہ کے نوٹس میں نہ ہو، اسی ادارہ سے قبلہ علامہ علی نقی نقن کی مشہور تفسیر ''فصل الخطاب'' نئے سرے سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، جو شائع نہ ہوتی تو قوم پر احسان عظیم ہوتا۔ کیونکہ اغلاط اتنی ہیں کہ الاماں (اس سے تو بہتر تھا کہ کتابت والی سکین کر کے سات جلدوں میں چھاپ دیتے)

آہ! ایک وہ زمانہ تھا کہ علماء کرام سینکڑوں میل سفر کر کے احادیث اور علوم قرآن اکٹھی کرتے تھے۔ صرف اس لیے کہ آنے والی نسلوں کو صحیح علوم اہلِ بیتؑ دے سکیں۔ انھوں نے امانت سمجھ کر کتابیں لکھیں، تاکہ آنے والی نسلیں علوم اہلِ بیتؑ سے محروم نہ رہیں۔ کیا

کوئی عقل مند انسان شیخ کلینیؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ، سید رضیؒ، سید علم الہدیٰؒ، شیخ طوسیؒ، علامہ حلیؒ وغیرہم کا قرض اتار سکتا ہے؟ یا ان کی خدمات کا انکار کر سکتا ہے؟ سابقہ علماء کرام تو جیلوں میں قید رہ کے علوم آل محمدؐ، آنے والوں کے لیے لکھتے رہے۔ جبکہ آج کے پبلشرز جو چند روپوں کے لیے اپنی ہی کتب میں قطع برید کر رہے ہیں۔

ارباب بست و کشاد کو اس مذبوحی حرکت کا شدت سے نوٹس لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ آنے والی نسلوں کا ہم لوگوں پر قرض بھی ہے اور ہمارا فرض بھی۔ آنے والی نسلیں ان قطع برید شدہ کتابوں کو ہی حجت سمجھیں گی۔ اس وقت آپ لاکھ سر پیٹیں وہ نہ مانیں گی۔ کیونکہ یہ قطع و برید ایمان کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر سکتی ہے۔

خدا ابراغریب، اور برا امیر ابننے سے بچائے۔

آفاق ملانہ
گڑھ مہاراجہ جھنگ
رات دس بجے ۱۵۔۵۔۳۱
(داعی اجل کو لبیک کہنے سے تین گھنٹے قبل زندگی کی آخری تحریر)

نتیجۂ فکر: ہومیو ڈاکٹر علی اسد ردائی واہ کینٹ

مُفوّض: ہم بھی تو مُوحّد ہیں کہ ہم اللہ کا شریک کسی کو نہیں جانتے، صرف ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی اختیار کچھ ہستیوں یعنی انبیاءؑ اور ائمہؑ کو دے رکھا ہے۔ ہم ان ہستیوںؑ کے بارے اگر یہ کہیں کہ بغیر اللہ کے دیئے سے انھیں تکوینی اختیار حاصل ہے تو تب ہم شرک کا ارتکاب کریں۔ یہ کہنا تو ہرگز شرک نہیں کہ اللہ نے تکوینی ولایت انبیاءؑ اور ائمہؑ کو دی ہے۔

مُوحّد مومن: یہ بات تو بالکل مشرکین کے تلبیہ میں استثنائی شرک کے اظہار والی ہے کہ جیسے وہ احرام باندھتے وقت کہا کرتے تھے: "اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں سوا اس کے جسے تو نے خود اپنا شریک بنایا"۔

پورے قرآن حکیم اور ائمہ اطہارؑ کی صحیح اور متواتر احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ نے ولایتِ تکوینی کسی کو نہیں دی۔ اگر کوئی قرآن حکیم سے ولایتِ تکوینی ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ یقیناً یقیناً اور یقیناً محکم آیات کو متشابہ بنانے کی بدترین کوشش کر رہا ہے۔

قرآن کی محکم آیات سے یہ بات بعبارۃ النص ثابت ہے کہ ولایت تکوینی اللہ نے کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ کُن کہہ کر بلا سبب کچھ کر لینا اللہ کے سوا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ اور واضح رہے کہ لفظ تکوین "کُن" ہی سے ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کسی ایک کو بھی کسی تکوینی حکم میں شامل فرمایا ہے تو مجھے صرف سورۃ مبارکہ کہف کی آیت ۲۶ کے جملہ قدسیہ

"وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا"

کا معنی سمجھا دیں۔ کیا اس جملہ قدسیہ کی موجودگی میں کوئی ولایت تکوینی غیر اللہ کے لیے ثابت کر سکتا ہے؟ جب کہ اس جملہ قدسیہ کا مطلب یقیناً یہی ہے: "اور وہ (یعنی اللہ) کسی ایک کو بھی اپنے حکم میں شریک نہیں کرتا" تو بتائیں کہ وہ حکم جس میں وہ کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا وہ کونسا حکم ہے؟

ہاں بتائیں کہ وہ کون سا حکم ہے کہ جس میں کوئی کسی طرح بھی اللہ کا شریک نہیں؟ .... تو یقیناً وہ تکوینی حکم ہی ہے۔ کیا کائنات میں ان مُفوّضین کے شرک کی کوئی دلیل ہے؟

هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين، وان لم تفعلوا ولن تفعلوا، فاتقوا النار التى وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين، الحمد لله رب العالمين

احقر علی اسد ردائی

۱۵ جون ۲۰۱۵ء

باب المتفرقات

پھر مذاہب کے مابین تصادم کیوں

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

تحریر: ڈاکٹر طاہر مسعود

صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ جنوبی ایشیا سمیت دنیا بھر میں فی زمانہ مختلف ادیان و مذاہب کے درمیان باہمی چپقلش، اختلافات اور عقائد و مابعد الطبعیاتی تصورات میں تصادم ایک عالمی مسئلہ ہے۔ جس نے امن عالم کو خطرے سے دوچار کر رکھا ہے۔ پڑوسی ملک بھارت میں مُسلمانوں اور عیسائیوں کو "شدھی" کرنے (یعنی انھیں قدیم آبائی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرنا) کی تحاریک، مساجد میں بم دھماکے، کلیسیا اور مندروں کو نذر آتش کرنے کی کوششیں بالعموم خود ان ہی مذاہب کے پیروکاروں میں مذہب کے غلط اور گمراہ کن تصور کی پیداوار ہیں۔ یہ سوال بھی ذہنوں میں پیدا کیا جا رہا ہے کہ اگر مذہب امن و آشتی اور حُسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے تو اس کے پیروکار انسانیت کے دشمن کیوں ہیں۔

آیئے مختلف مذاہب کے مابین جدل و پیکار کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ تمام ادیان اور مذاہب کا منبع یا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے سارے پیغمبر اور رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس زمین پر یہ ادیان اور پیغمبر بھیجے گئے، اس کا خالق و مالک بھی اللہ ہی ہے۔ یعنی تمام جمادات، نباتات، مخلوقات اور اشرف المخلوقات کا پیدا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔ اسے مولانا حالی نے نہایت سادگی سے یوں کہا ہے: ع

کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

آخر یہ سادہ سا سبق بھولنے کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب اور ہر دین کا ماننے والا سمجھتا ہے کہ اس کا دین یا مذہب سچا اور باقی مذاہب باطل ہیں اور اس رستے کو جو چھوڑے گا، تو یا وہ ہلاکت میں پڑے گا۔ بس یہ سمجھیے کہ سارے لڑائی جھگڑے، سارے اختلافات اور تصادم و خون ریزی کے واقعات اسی خوش گمانی سے جنم لیتے ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس خوش گمانی کی بنیاد کہ میرا دین سچا اور باقی سب جھوٹے اور باطل ہیں، لاعلمی، بے خبری اور جہل ہے۔ کیونکہ اس کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کس مذہب اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔ ایک مُسلمان ہونے کے ناتے میرا ایمان ہے کہ دین اسلام برحق ہے۔ میرے نبی ﷺ سچے اور آخری نبی ہیں۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ میں سچے نبی ﷺ کا پیروکار ہوں، لہٰذا ابدی مسرت یعنی جنّت میرا حق ہے اور اس جنّت کا میں کسی یہودی، نصرانی یا ہندو سے کہیں زیادہ مستحق ہوں۔ یہ عقیدہ یا

یقین میرے اندر ایک ایسے احساس برتری کو جنم دیتا ہے جس کے نتیجے میں دوسرے مذاہب اور ان کے پیروکار میری نظر میں حقیر ٹھہرتے ہیں ۔ میں شعوری یا لاشعوری طور پر انھیں کم تر، گم راہ اور خدا کے غضب کا سزاوار سمجھنے لگتا ہوں ۔ اور میرا اپنا معاملہ یہ ہے کہ میں بہ حیثیت مُسلمان تو چھوڑیے بہ حیثیت انسان بھی ایک اچھا ، دردمند دل رکھنے والا، بہتر انسان بھی نہیں ہوں ۔ یعنی یقین و ایمان کی سطح پر میں خود کو بلند ترین درجے پر فائز سمجھتا ہوں اور اعمال و معاملات میں بدترین ہوں ۔ آپ کا خیال ہے کہ فیصلے کے روز میری نجات ہو جائے گی؟ اللہ کی آخری کتاب اور آخری نبی ﷺ کے اس پیغام سے کون واقف نہیں کہ فیصلے کی بنیاد اعمال ہوں گے ۔ مُسلمان کے اعمال اچھے ہوں گے تو وہ بخشا جائے گا، ورنہ واصل جہنم ہوگا ۔ اگر حقیقت معاملہ یہی ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اپنے دین کی سچائی پر یہ اکڑ کیوں؟ اور دوسرے ادیان یا مذاہب کے خلاف نفرت و تحقیر کیوں؟ مولانا حالی ہی نے ایک اور مصرع بڑے کام کا فرمایا ہے کہ ع

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

یہ بات یا یہ اصول وہی جانتے ہیں جنھوں نے اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کیا ہے ۔ اصل میں نفرت، تحقیر، بدگمانی اور اس طرح کے تمام منفی اور تخریبی جذبات کی اصل وجہ لاعلمی، بے خبری اور جہالت ہے ۔ جو آدمی جانتا نہیں ہے، وہی تنگ نظر اور کم ظرف ہوتا ہے ۔ علم آدمی میں وسعت نظر پیدا کرتا ہے اور جہل و لاعلمی آدمی کو اپنی ذات اور طرح طرح کی بے بنیاد خوش گمانیوں کے کنویں میں مُقیّد کر دیتی ہے ۔ ہر مذہب، محبّت اور خیر خواہی کا درس دیتا ہے، جب کہ ہم اپنے مذہب کی عصبیّت میں مبتلا ہو کر اپنے ہی مذہب کے برخود غلط نمائندے بن جاتے ہیں ۔ ہم غیر شعوری طور پر سمجھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب سے نفرت کر کے گویا ہم اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں اور یہی نفرت، معاشرے کے امن و سکون کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے ۔ کلیسیا اور مندر والا، مسجدیں ڈھاتا ہے اور مسجد کا نمازی کلیسیا اور مندر پر سنگ باری کرتا ہے اور انھیں نذرِ آتش کرتا ہے ۔ ایسا کرنے والے ایک لمحے کے لیے بھی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ بھلا کیا ان کے اس طرزِ عمل کی خود ان کے مذہب میں کوئی گنجائش ہے؟ کوئی گیتا اور بائبل میں لکھا دکھا دے کہ مساجد کا ڈھانا اور مُسلمانوں کا قتل واجب ہے ۔ اسی طرح کوئی مُسلمان ایسی آیات و احادیث کی نشان دہی کر دے جس میں دیگر مذاہب کی توہین و تذلیل کی تلقین کی گئی ہو ۔ اسکے برعکس قرآن حکیم تو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ: ''یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں، انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں''۔ (الانعام: ۱۰۸)

قرآن حکیم میں ایک جگہ آیا ہے: ''جو شخص راہِ راست پر چلتا ہے وہ اپنے نفعے کے لیے راہِ راست پر چلتا ہے اور جو شخص بے راہ روی اختیار کرتا ہے سو وہ بھی اپنے نقصان ہی کے لیے بے راہ روی اختیار کرتا ہے''۔ (بنی اسرائیل: ۱۵۰)

ایسی متعدد آیات سے اسلامی تعلیمات کے اس اہم اصول کا پتا چلتا ہے کہ اسلام کے پیغام کو جو لوگ نہ مانیں اور توحید و رسالت سے انکار کریں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ان پر کوئی زور، جبر اور زبردستی نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دنیا میں پھیلا ہی اپنی انسان دوستی، دردمندی، کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی سے ہے۔ ہمارے دین میں انتقام بہ جائے برداشت اور معاف کرنے کا حکم ہے۔ دوسروں کی زیادتیوں پر صبر اور عفو و درگزر سے کام لینے کے لیے کہا گیا ہے اور صبر کرنے والوں کا درجہ قرآن حکیم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ''بے شک وہ نصیبوں والے ہیں'' چونکہ تمام مذاہب اللہ ہی کے اتارے ہوئے ہیں، اس لیے دیگر مذاہب میں بھی اسی رواداری کی تعلیمات ملتی ہیں۔

مسلمانوں کے ایک طبقے میں یہ جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ چونکہ اسلام نے پچھلے ادیان کو منسوخ کر دیا ہے، لہٰذا پچھلے تمام ادیان نعوذ باللہ باطل ہیں۔ یہ گم راہ کن تصور ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے پچھلے ادیان کی تکمیل اور تصحیح کی ہے۔ یعنی ان میں بعد کے زمانے کے لحاظ سے جو کمی رہ گئی تھی، اور ان میں جو غلط عقائد در آئے تھے، اسلام نے انھیں دور کر کے دین کا ایک مکمل اور جامع تصور پیش کیا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ تمام انبیاء اور ان کی پاکیزہ تعلیمات کو قلب و ذہن سے تسلیم نہ کر لے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دیتا، اور آج تک دنیا میں مذاہب کے نام پر جتنی جنگیں ہوئی ہیں، جتنی خون ریزی اور کشت و خون کے الم ناک واقعات پیش آئے ہیں، بیش تر صورتوں میں اپنے مذاہب اور ادیان کی تعلیمات سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔

یہ انسان کے اپنے اندر کا درندہ ہے جو بے قابو ہو کر مذہب کے نام پر جنگ و جدل کا بازار گرم کرتا ہے اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے خون سے اپنا ہاتھ رنگتا ہے، آبادیوں کو تاراج اور خواتین کو بے آبرو کرتا ہے۔ حالانکہ غور کیا جائے تو ہر مذہب کی اولین تعلیم یہی ہوتی ہے کہ اپنے اندر کے اس درندے پر قابو پاؤ۔ اسے سدھا سمجھا کر شائستہ، مہذب اور شریف انسان بناؤ۔

چونکہ بہ قول مولانا حالی:

اس کام میں پڑتی ہے محنت زیادہ

لہٰذا اپنی اصلاح اور خود کو درست کرنے کے طویل قضیے میں پڑنے کی بہ جائے ہم اپنی نفسانی خواہشات کا شکار ہو کر دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لیے باعث اذیت بن جاتے ہیں۔ ہر مذہب نے ظلم و زیادتی کی مذمت کی ہے اور اس لیے کی ہے کہ ہر مذہب کا ماخذ اور تمام ادیان کا سرچشمہ وہ خدائے رحمٰن و رحیم ہی ہے جو انسان کو انسان بنانے اور اسے درندگی و کشت و خون سے بچانے کے لیے ہر قوم اور ہر نسل میں اپنے انبیاء بھیجتا رہا ہے۔ اپنے احکامات و تعلیمات سے آگہی کے لیے ان پر آسمانی کتابیں نازل کرتا رہا ہے، چنانچہ آج دنیا میں جتنے بھی اخلاقی تصورات پائے جاتے ہیں اور دنیا میں امن و آشتی اور باہمی محبت و احترام کے جتنے بھی

مظاہرے ملتے ہیں سب ان ہی مذہبی اور دینی روایات کا ثمر ہیں۔ آج یورپ اور امریکا میں مذہب اگر آدمی کا ذاتی معاملہ بن گیا ہے اور اسے اجتماعی معاملات سے کاٹ کر پھینک دی اگیا ہے تو اس کی وجہ بھی وہ پوپ اعظم اور پادری حضرات ہیں جنھوں نے خود کو مذہب کا ٹھیکیدار اور مخلوق خدا کا تھانے دار تصور کر لیا تھا، اور وہ مظالم ڈھائے کہ مخلوق خدا مذہب ہی سے بے زار ہوگئی۔ ان پادری حضرات کی گم راہی اور زر پرستی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں سے ان کے گناہوں کو بخشنے کے لیے بڑی بڑی رقوم اینٹھتے تھے اور پھر انھیں یہ سند دیتے تھے کہ جاؤ اب تمھارے گناہ معاف ہوگئے۔ روس میں اشتراکی انقلاب برپا کرنے والے لینن نے بچپن میں اپنے باپ کے پادری دوست سے یہ سن کر اپنے گلے میں لٹکی ہوئی صلیب نکال پھینکی اور مذہب کا دشمن ہوگیا کہ "جو لڑکے کلیسیا عبادت کے لیے نہیں آتے ان کی کی ٹھکائی ہونی چاہیے"۔ لینن کی مذہب دشمنی کا ذمے دار کون تھا؟ ایک مذہبی مبلغ۔ اور پھر لینن کی مذہب دشمنی کا نتیجہ کیا نکلا؟ کروڑوں لوگ اس کے افکار کے زیر اثر مذہب کو افیون سمجھنے لگے۔

آج پاکستان میں مذہب اور دین کے نام پر فرقہ واریت پھیلی ہوئی ہے اور ایک ہی دین کے پیروکار شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی، اہلِ حدیث، اہل قرآن اور نہ جانے کتنے گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے ہیں۔ دوسرے مذاہب کا کیا ذکر، خود مسلمانوں کی اجتماعیت پارہ پارہ ہوگئی ہے۔ ان کی توانائی، جو اسلام کے پیغام امن و محبت کی تبلیغ و تشہیر پر صرف ہونی چاہیے تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے جاری کرنے، ایک دوسرے کے عقائد پر حملے کرنے اور اپنی اپنی عصبیتوں کی روشنی مین اپنی اپنی مساجد تعمیر کرنے میں ضائع ہورہی ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ ایک عام مسلمان مذہب سے مایوس، بلکہ بے زار ہو رہا ہے، اور سوچتا ہے کہ اگر مذہبی ہوکر بھی مذہب کے ان نمائندوں جیسا بننا ہے تو میری توبہ۔ میں گم راہ اور بدعقیدہ ہوکر بھی ان نام نہاد مذہب کے ٹھیکے داروں سے تو بہتر ہوں۔

آج ہم نے فرقوں، گروہوں، تنظیموں اور جماعتوں کے نام پر دین کا خودساختہ تصور گھڑ لیا ہے، اور اپنے فرض کیے ہوئے دین کا مالک و خالق اس اللہ کو سمجھتے ہیں جس کا انسانی تعصبات والے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ آج ہم میں سے بہت سے افراد دوسرے مکتب فکر کی مساجد میں قدم رکھنا گناہ سمجھتے ہیں اور ان کے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہماری نماز نہیں ہوئی۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے اسی لیے ٹوکا تھا کہ:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج کی دنیا بالعموم مذہبی پیروکاروں اور ملحدوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یورپ کے لبرل اور سیکولر نظریات نے مذہبی تصورات کو مشتبہ اور مشکوک بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی محیر العقول

باقی صفحہ ۳۹ پر

شعائرِ اسلام کی توہین

اسلام ہمیں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیتا ہے۔ سورہ حج میں ہے:

وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ

شعائر خداوندی کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی دلیل ہے۔

وَمَنْ یُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ

خدا نے جن چیزوں کو محترم بنایا ہے جو ان کی تعظیم کرے تو اس کا یہ عمل خدا کے ہاں باقی اعمال سے افضل ہے۔

خدا کے شعائر اور محرمات لاتعداد ہیں، البتہ ہم کعبہ مسجد الحرام، مسجد نبوی، مکہ و مدینہ، مزاراتِ مقدسہ اور مساجد کی حرمت کو بیان کریں گے۔ ان شعائر اسلامی میں سب سے زیادہ اہمیت دین واسلام، قرآن اور اولیائے الٰہی کو حاصل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کعبہ کا احترام رسول اکرمؐ کے احترام کا ہی ایک حصہ ہے۔ قرآن اور دین کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی سب سے زیادہ محترم ہیں۔ ائمہ ہدیٰ سے رسولِ اکرمؐ کی جو زیارت منقول ہے، اس میں ہے کہ:

پروردگار! محمد مصطفیٰؐ پر نازل فرما جیسا کہ تونے ان کے وسیلے سے گناہ معاف کیے اور لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کی اور ان کے وسیلے سے تونے مشکلیں دور فرمائیں۔ محمد مصطفیٰؐ پر درود بھیج کیونکہ جیسا کہ تونے ان کے وسیلے سے بدنصیبی کو دور کیا اور ان کے وسیلے سے بڑے بڑے مصائب ہٹائے اور دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور بلیات سے نجات دلائی۔

پروردگار! محمد مصطفیٰؐ پر درود بھیج جس طرح سے تونے ان کے وسیلے سے اپنے بندوں پر رحم کیا اور شہروں کو زندگی عطا کی اور ظلم و ستم کرنے والوں کی کمر توڑ ڈالی اور فرعون مزاج افراد کو ہلاک کیا۔

پروردگار! محمد مصطفیٰؐ پر درود بھیج جیسا کہ تونے ان کے وسیلے سے مال میں برکت دی اور ہولناکیوں سے بچالیا اور ان کے وسیلے سے بتوں کو تڑوایا اور انسانوں پر رحم کیا۔

خدایا! محمد مصطفیٰؐ پر درود بھیج جیسا کہ تونے ان کو بہترین دین دے کر مبعوث کیا اور ان کے وسیلے سے ایمان کو قوت بخشی اور بت پرستی سے نجات عطا کی اور بیت اللہ الحرام کو عظمت ملی۔

زیارت جامعہ کبیرہ میں ہمیں شان آلِ محمدؐ میں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں:

اے اہلِ بیتؑ نبوت! ہر عزت دار آپ کی عزت کو دیکھ کر گردن جھکا چکا ہے۔ ہر مخلوق آپ کے سامنے حقیر

ہے اور آپ کی ولایت کی وجہ سے نجات حاصل کرنے والے نجات حاصل کرتے ہیں۔ آپ لوگ صالحین کا نور ہیں اور نیک افراد کے ہادی ہیں اور خدائے جبار کی حجت ہیں۔ اللہ نے آپ کو مقربین کے اعلیٰ ترین مقامات عطا کیے ہیں جن تک کسی دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔

قرآن کریم کی بے حرمتی کرنا

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری نازل کردہ کتاب ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے جسے اس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ قرآن کتابِ خدا اور قانونِ الٰہی ہے اور یہ رہتی دنیا تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے اور یہ کتاب دنیا و آخرت کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ اسی کتاب نے لوگوں کو انبیاء و مرسلینؑ کے واقعات سے آگاہی عطا کی ہے اور یہی کتاب ائمہ ہدیٰؑ کے فضائل کی بھی ترجمانی کرتی ہے۔ قرآن کا احترام دین کا احترام ہے اور قرآن کی بے ادبی دین کی بے ادبی ہے۔ قرآن کے احترام کی بہترین شکل و صورت یہ ہے کہ انسان قرآنی احکام پر عمل کرے۔ قرآن کریم کو وضو کے بغیر چھونا اس کی بے حرمتی ہے اور نا مناسب مقام پر قرآن رکھنا قرآن کی توہین ہے اور تدبر کے بغیر پڑھنا بھی صحیح نہیں ہے لیکن قرآن پر عمل نہ کرنا اس کی سب سے بڑی توہین ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جعفر جعفی سے فرمایا کہ تم صحیح مومن اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک اپنے متعلق لوگوں کی تعریف سن کر اذیت محسوس نہ کرو۔ خیال رکھنا لوگ تمہاری تعریف کریں تو مغرور نہ ہو جانا۔ اپنی شخصیت کو قرآن کے آئینے میں دیکھنا۔ اگر تم قرآن کے اوامر پر اپنے آپ کو عمل کرتے ہوئے پاؤ اور جن کاموں سے قرآن نے منع کیا ہے تم اپنے آپ کو ان ممنوعات سے دور پاؤ تو پھر تمہیں کس بات کا ناز ہے؟ مومن کی پیدائش کا مقصد جہاد بالنفس ہے اور اسے چاہیے کہ اپنے نفس پر غلبہ حاصل کرے۔ انسان کبھی جہاد بالنفس کے مرحلے پر کامیاب ہو جاتا ہے اور اپنی خواہشات پر غالب آ جاتا ہے اور کبھی انسان اس معرکے میں مغلوب ہو جاتا ہے۔ جب بندۂ مومن اپنے نفس کے ہاتھوں مغلوب ہو رہا ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور اسے نفس امارہ کے شر سے بچا لیتا ہے اور اس کی لغزشوں کی تلافی کرتا ہے۔ پھر اسے توفیق الٰہی میسر آتی ہے اور انسان توبہ کا سہارا لیتا ہے اور اللہ اس کی بصیرت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

(بحار الانوار ج ۷۸ ص ۱۶۲)

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ" اور جب صاحبانِ تقویٰ کو شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھونا چاہتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں اور حقائق کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

(سورہ اعراف: ۲۰۱)

کافی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ایک شاگرد سعد سے فرمایا:

سعد! قرآن یاد کرو (اور اس میں تدبر کرو) قرآن

قیامت کے دن انتہائی خوبصورت شکل میں مجسّم ہوکر آئے گا، لوگ اس کی حسین صورت کو دیکھیں گے پھر وہ تمام انسانوں، ملائکہ اور انبیاء کی صفوں سے گزرتا ہوا عرشِ الٰہی کے سامنے سجدہ ریز ہوگا۔ اس وقت اللہ اس سے فرمائے گا: اے میری حجّت، اے میرا کلام حق، اب سر سجدے سے اٹھا اور جو مجھ سے مانگنا ہو مانگ اور جس کی شفاعت کرنی ہو کر۔ میں تیری ہر درخواست قبول کروں گا۔ اس وقت قرآن اپنے سر کو بلند کرے گا۔ اس وقت خدا قرآن سے کہے گا: تو نے میرے بندوں کو کیسا پایا؟ اس وقت قرآن کہے گا کہ: پروردگار! تیرے بندوں میں سے کچھ بندوں نے میری نگہبانی کی تھی اور میرے حقوق ادا کیے تھے۔ کچھ بندوں نے مجھے ضائع کیا تھا، اور میری توہین وتحقیر کی تھی اور مجھے جھوٹا کلام سمجھتے تھے جبکہ میں تیرے بندوں پر تیری حجّت تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم! جن لوگوں نے تیری پیروی کی تھی آج میں انھیں بہترین بدلہ دوں گا اور جس نے تیری مخالفت کی اسے سخت ترین عذاب دوں گا...... اللہ تعالیٰ قرآن سے کہے گا: جس نے تیری پیروی کی تھی اسے جنّت میں داخل کر اور اسے اس کی رہائشگاہ میں رہائش دے۔ قرآن آگے چلے گا اور قرآن کے پیروکار اس کے پیچھے چلیں گے۔ جتنا کوئی قرآن پڑھتا جائے گا اتنے ہی بلند درجات پر فائز ہوتا جائے گا۔ (کافی ج ۲ ص ۶۰۱) بالاختصار

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
قیامت کے دن تین طرح کے دفتر ہوں گے۔ ایک دفتر میں نعمتوں کا اندراج ہوگا۔ ایک دفتر میں برائیوں کا اندراج ہوگا، اور ایک دفتر میں نیکیاں درج ہوں گی۔ جب نعمتوں کے دفتر کا نیکیوں کے دفتر سے موازنہ کیا جائے گا تو دونوں مساوی ہوں گے۔ برائیوں کا دفتر رہ جائے گا۔ اس وقت مومن کو حساب کے لیے بلایا جائے گا۔ اس وقت مومن کی مدد کے لیے قرآن مجید اس کے آگے آگے چلے گا اور کہے گا: پروردگار! میں تیرا قرآن ہوں اور یہ تیرا مومن بندہ ہے۔ یہ اندھیری راتوں میں میری تلاوت میں مصروف رہتا تھا، آج تو بھی اسے راضی فرما۔ اس وقت آواز قدرت آئے گی: بندۂ مومن! دایاں ہاتھ دراز کر۔ وہ دایاں ہاتھ دراز کرے گا۔ اس ہاتھ میں اللہ اپنی رضا رکھ دے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ بایاں ہاتھ دراز کر۔ جب وہ بایاں ہاتھ دراز کرے گا تو اس میں اللہ اپنی رحمت رکھ دے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ یہ جنّت تیرے لیے مباح ہے۔ اس میں داخل ہوجا اور آیات پڑھتا جا اور درجات حاصل کرتا جا۔ (کافی ج ۲ ص ۶۰۲)

بیت اللہ کی بے ادبی کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بابرکت اور

تمام جہانوں کے لیے موجب ہدایت ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔ جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امان میں ہوگا اور لوگوں پر اللہ کے اس گھر کا حج واجب ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے، وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو خدا تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ (سورۃ آل عمران: ۹۶و۹۷)

کعبہ سب سے محترم عبادت گاہ ہے۔ یہ لوگوں کے لیے جائے امن اور رحمت، مغفرت، ہدایت اور برکت کا مقام ہے۔ اس کے حرم میں توحید و خدا شناسی کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ یہاں مقامِ ابراہیم، حجر اسماعیل، چاہ زمزم، اور کوہ صفا اور کوہ مروہ ہیں، اور یہاں پناہ لینے والے کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کی تین حرمتیں بہت بڑی ہیں جن کی عظمت کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔

① قرآن مجید...... اللہ نے اپنی کتاب کو لوگوں کے لیے حکمت اور اپنا نور قرار دیا ہے۔

② خانہ کعبہ...... اللہ نے کعبہ کو قبلہ بنایا ہے اور نماز کے لیے قبلہ رخ ہونا لازمی قرار دیا ہے۔

③ اہلِ بیت نبیؐ...... اللہ نے ان کو ہادی اور معارف الٰہی کا بیان گر قرار دیا ہے۔

(بحار الانوار ج ۲۴ ص ۱۸۵ و خصال ج ۱ ص ۱۷)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی تین حرمتیں ہیں، جو ان کی حفاظت کرے گا، اللہ دین و دنیا میں اس کی حفاظت کرے گا اور جو ان حرمتوں کی حفاظت نہیں کرے گا اللہ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں کرے گا۔ اسلام کی حرمت، میری حرمت، میری عترت کی حرمت"۔

(خصال ج ۱ ص ۱۷)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: روئے زمین پر پانچ چیزیں حرمت اور عظمت رکھتی ہیں اور ان کا احترام سب پر واجب ہے:

① حرمت رسولؐ ② حرمت آلِ رسولؐ ③ حرمت قرآن ④ حرمت کعبہ اور ⑤ حرمت مومن۔

کعبہ کا احترام ہر مُسلمان پر واجب ہے اور کعبہ کی بے حرمتی سخت گناہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۵﴾ (حج: ۲۵)

جو بھی اس مسجد میں ظلم کے ساتھ الحاد کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

کافی میں ہے کہ امام علی علیہ السلام کے کچھ سیاسی حریف کعبہ میں داخل ہوئے تھے اور انھوں نے آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے ایک دستاویز تیار کی تھی۔ یہ آیت ان کے لیے نازل ہوئی تھی۔ (کافی ج ۱ ص ۴۲۱)

تربت امام حسینؑ کی بے ادبی کرنا

مٹی کھانا حرام ہے۔ خواہ وہ کسی جگہ کی ہو لیکن اللہ نے تربت امام حسینؑ کو خاک شفا کا اعزاز بخشا ہے۔ اس کا احترام ضروری ہے اور اس کی بے ادبی کرنا حرام ہے۔ یہ وہ خاک ہے جس سے کئی لاعلاج مریضوں کو شفا نصیب ہوئی ہے۔ معصومینؑ نے خاکِ شفا استعمال

کے نے کے مخصوص آداب بیان کیے ہیں۔

محمد بن مُسلم راوی ہیں کہ میں بیماری کے عالم میں مدینہ پہنچا۔ امام محمد باقر علیہ السلام کو خبر ہوئی تو آپ نے ایک شربت بھیجا، جس پر رومال پڑا ہوا تھا۔ آپ کے غلام نے وہ شربت مجھے دیا اور کہا کہ میرے آقا کا حکم ہے کہ آپ کو یہ شربت پلائے بغیر واپس نہ آؤں۔ اس شربت سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی اور وہ بہت ٹھنڈا تھا۔ جب میں نے شربت پیا تو غلام نے کہا کہ اٹھیں، آپ کو امام بلاتے ہیں۔ میں سوچنے لگا کہ مولا کے پاس کیسے جاؤں مجھ میں تو چلنے کی بھی سکت نہیں۔ پھر اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر قوت آ گئی ہے اور تمام کمزوری دور ہو گئی ہے۔ میں امام کے در دولت پر پہنچا اور اجازت طلب کرنے کا ارادہ کیا کہ اندر سے امام کی آواز آئی۔ تجھے شفا مل چکی ہے، اندر آ جاؤ۔

میں نے روتے ہوئے حجرے کے اندر قدم رکھا اور امام کے سر اور ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ امام نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مولا! میں اس لیے روتا ہوں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ایک طویل سفر حائل ہے اور میں آپ کے یہاں مستقل طور پر قیام بھی نہیں کر سکتا۔ اسی جدائی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔

امام نے فرمایا کہ تم نے جو یہ کہا ہے کہ تمھارے اور ہمارے درمیان طویل فاصلہ حائل ہے تو بات یہ ہے کہ خدا چاہتا ہے ہمارے دوست ہمیشہ آزمائش میں مبتلا رہیں۔ تم نے کہا ہے کہ تم مسافر ہو تو یاد رکھو! اس دنیا میں ہر مومن مسافر ہے۔ انسان جب تک اس دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی رحمت میں نہ چلا جائے اس وقت تک وہ مسافر ہی رہتا ہے۔ تم نے طویل فاصلے کا ذکر کیا ہے۔ تمھیں امام حسینؑ کی ذاتِ اقدس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ان کا مزار بھی تو ہم سے بہت دور فرات کے کنارے پر واقع ہے۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ تمھارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے پاس رہو اور ہماری زیارت سے مشرف ہوتے رہو لیکن حالات تمھیں اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تمھارے دل کی کیفیت جانتا ہے اور وہ تمھیں اس کا اجر دے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم امام حسینؑ کی زیارت کے لیے کربلا جاتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ انتہائی خوف کے باوجود جاتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: جو خوف کے عالم میں بھی زیارت حسینؑ کو جائے تو اللہ قیامت کے خوف سے اس کو بچائے گا اور اس کی مغفرت فرمائے گا۔ ملائکہ اس کو سلام کریں گے۔ رسولِ خدا ﷺ اس کی زیارت کریں گے۔ وہ خدا کے فضل و انعام کا مستحق قرار پائے گا۔ وہ کوئی مصیبت نہ دیکھے گا اور رضائے الٰہی کا پیروکار قرار پائے گا۔

پھر آپ نے پوچھا کہ تم کو ہمارا بھیجا ہوا مشروب کیسا لگا؟ میں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اہلِ بیتؑ رحمت ہیں، اور آپ اوصیاء کے وصی ہیں، جب آپ کا غلام مشروب لایا تھا تو کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے مشروب پیا، وہ ایسا خوشبودار تھا کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسا مشروب نہیں پیا اور جیسے ہی میں نے وہ مشروب پیا مجھے لگا کہ میں نے رسیوں سے آزادی حاصل کر لی ہو۔ خدا کا شکر ہے جس نے آپ کو

باقی صفحہ ۴۰ پر

باب المتفرقات

اسلام کی تبلیغ میں حضرت خدیجہؑ کا کردار

ڈاکٹر انصار الدین مدنی، محمد ریاض فضہ مسلم جامعہ کراچی

اسلام کی تبلیغ اور نشرواشاعت میں حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا ایک بے مثال کردار ہے۔ بدقسمتی سے عالم اسلام میں ان دونوں شخصیات کی خدمات کو کما حقہ اجاگر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اسلام کی تبلیغ میں ان ہستیوں کے کردار کو اجاگر کیا جائے تاکہ جہاں ان کا حق ادا کیا جاسکے وہاں ان کی سیرت و کردار کو نمونہ عمل بھی بنایا جاسکے۔ زیرِ نظر مقالہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی بے نظیر خدمات اور تبلیغ اسلام میں ان کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اسلام کی مخفی تبلیغ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا کردار

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقد کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے اپنی پوری دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کردی جو نہ فقط ان کی زندگی میں اسلام کی تبلیغ پر خرچ ہوئی بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی اسلام کی تبلیغ میں استعمال ہوتی رہی۔ بعثت کے بعد تین سال تک اسلام کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ مخفی رہا۔ یقیناً اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تجارتی سرگرمیوں کو روکا ہوا تھا، کیونکہ بعثت سے قبل آپؐ غارِ حرا میں مشغول عبادت رہتے۔ جب وحی کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؐ اس کے بعد تجارتی سرگرمیوں اور کسبِ معاش کی حالت میں نہ تھے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ اس دوران آپؐ کے گھریلو اخراجات، غلاموں اور اہلِ خاندان کا خرچ، نیز معاشرے میں موجود یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور بے کسوں پر مالی ایثار کا خرچ کہاں سے پورا ہوتا تھا؟ یہاں تک کہ آنحضرتؐ غارِ حرا میں دورانِ عبادت بھی بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ابن ہشام، ابن اسحاق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''عبداللہ بن زبیر نے عبید بن عمر بن قتادہ لیثی سے کہا: اے عبید! ہمیں بتائیے کہ کیسے جبرئیل آپ کے پاس تشریف لائے اور حضورؐ پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی؟ راوی کہتے ہیں کہ جب عبید نے یہ واقعہ عبداللہ بن زبیر اور لوگوں کے سامنے نقل کیا تو میں اس وقت موجود تھا، انھوں نے کہا کہ: حضورؐ ہر سال میں ایک مہینہ غارِ حرا کے اندر خلوت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور جو مسکین آپؐ کے پاس آتا اس کو کھانا کھلاتے تھے۔ (ابن ہشام ابومحمد عبدالملک، سیرۃ النبی (کامل) ابن ہشام مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی، ص ۱۵۶)

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آنحضرتؐ اعلان نبوت سے پہلے اکثر غارِ حرا میں جایا کرتے تھے،

اس دوران سائل آکر سوال کرتے تھے، اور آپؐ ان کی مدد کرتے تھے۔ آنحضرتؐ یتیموں سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے، تبھی تو آنحضرتؐ غار حرا میں مراقبہ کے دوران بھی یتیموں کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب آپؐ کا کوئی کسب معاش نہ تھا، وہ مال و دولت جو آپؐ غریبوں اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے کہاں سے آتا تھا؟ یقیناً یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی دولت کا ایک حصہ تھا جو اس قسم کے کاموں کے لیے مخصوص تھا۔ اسی طرح دعوتِ ذوالعشیرہ میں تین دن تک کھانا کھلانے کا واقعہ جو کہ تاریخ اسلام کے مُسلمہ واقعات میں سے ہے، علامہ حلبی نے اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہے: جب آپؐ پر ''وانذر عشیرتك الاقربین'' (شعراء: ۲۱۴) کی آیت نازل ہوئی تو آپ نے ابوطالبؑ کے مکان میں عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کیا، جن کی تعداد چالیس تھی۔ کتاب امتاع میں ہے کہ کل پینتالیس مرد اور دو عورتیں تھیں۔ غرض حضرتؐ نے ان آنے والوں کے لیے کھانا تیار کیا۔ اس میں بکری کی ایک ٹانگ تھی جس کے ساتھ ایک مد یعنی تقریباً سوا رطل گیہوں اور ساڑھے تین سیر دودھ تھا۔ چنانچہ ایک بڑے برتن میں کھانا لاکر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا، اور آپؐ نے ان سے فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھانا کھائیے ...... لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بات چیت کا ارادہ فرمایا تو ابولہب نے آپؐ کی بات کاٹ کر کہا: اس شخص نے تم سب پر زبردست جادو کر دیا ہے۔ یا یہ کہا کہ: ہم نے آج تک ایسا جادو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کوئی بات نہیں کر سکے۔ اگلا دن ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: جس طرح تم نے کل کھانا اور مشروب تیار کیا تھا اسی طرح میری طرف سے آج پھر وہی چیزیں تیار کر دو...... چنانچہ حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کیا...... (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۲۵۳)

دعوت ذوالعشیرہ کے واقعہ کے ضمن میں حلبی اور دوسرے سیرت نگاروں نے اس دعوت کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس دعوت کے انعقاد میں حضرت خدیجہ کی دولت اسلام کی تبلیغ پر خرچ ہوئی۔ اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ نہ تنہا اس دعوت پر حضرت خدیجہ کا مال خرچ ہوا بلکہ آنحضرتؐ نے جو طریقہ اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں اپنایا ہوا تھا، اس کا ایک انداز یہی تھا کہ آپؐ اس قسم کی ضیافتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ انھیں دعوت ضیافت دے کر اس بات کا پابند بنا دیتے تھے کہ وہ آپؐ کی بات سنیں۔ علامہ حلبی کی ایک اور روایت اس سلسلے مین یہ ملتی ہے: حضرت علیؑ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؑ کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ انھوں نے کھانا پکایا، اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے فرمایا: بنی عبدالمطلب کو میری طرف سے دعوت دے کر بلا لاؤ۔ چنانچہ میں نے چالیس آدمیوں کو دعوت دی، اب ان دونوں روایتوں کی موجودگی میں کہ آیا کھانا حضرت علیؑ نے پکایا تھا یا حضرت خدیجہؑ نے، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علیؑ

نے کھانا تیار کرنے کا کام حضرت خدیجہؑ کے یہاں کیا ہوا اور پھر لوگوں کو بلا کر ابوطالب کے مکان میں لائے ہوں۔ (ایضاً ص ۲۵۴)

مذکورہ دونوں عبارتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے سے پہلے دعوت ضیافت کا اہتمام فرماتے تھے۔ ایسی دعوتوں کو سیرت نگار اگرچہ معجزات نبوی میں شامل کر کے خرچ ہونے والے سرمایہ کو کم سے کم ثابت کرنا چاہتے ہیں، مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے پاس حضرت خدیجہؑ کی دولت کی شکل میں کثیر سرمایہ موجود تھا۔ اس لیے اس قسم کی ضیافتوں کا اہتمام کرنے میں آپ کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ سیرت کی کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ آنحضرتؐ موسم حج کے دوران حاجیوں کے پاس جاتے تھے اور انھیں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، ظاہر ہے آپ اسلام کی دعوت کھڑے کھڑے نہیں دے سکتے تھے اور آنحضرتؐ کی سیرت میں یہ بات شامل تھی کہ آپؐ مہمانوں اور مسافروں کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ ایسے لوگوں کو نہ صرف اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرماتے تھے بلکہ ان کی میزبانی بھی کرتے تھے۔ اور اس قسم کی میزبانیوں پر خرچ ہونے والا سرمایہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے مال و دولت سے مہیا ہوتا تھا۔

غلاموں اور کنیزوں کی آزادی

بعثت کے بعد آپؐ نے خفیہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، ابتدائی طور پر جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں اکثریت غلاموں اور غریبوں پر مشتمل تھی۔ آنحضرتؐ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ مسلمان، غلاموں کو خرید کر آزاد کریں تاکہ وہ اپنے آقاؤں کے ظلم و ستم سے نجات پاسکیں۔ آپؐ صاحب حیثیت صحابہ کرامؓ کو بھی اس پر آمادہ فرماتے تھے کہ وہ غلام کنیز خرید کر آزاد کریں آنحضرت نے وقتاً فوقتاً جو غلام اور کنیزیں آزاد فرمائیں علامہ طبری نے ایسے سترہ غلاموں کا تذکرہ کیا ہے جن میں زید بن حارثہ، ثوبان، شقران، ابورافع، سلمان الفارسی، سفینہ، انسۃ ابومسرح، ابوکبشہ، ابومویہبہ، رباح الاسود، فضالہ، مدعم، ابوضمیرہ، یسار، مہران، مابور اور ابوبکرہ وغیرہ شامل ہیں۔ بلکہ علامہ طبری کی عبارات سے آنحضرتؐ کی طرف سے کل بائیس آزاد کردہ غلاموں کا تصور ملتا ہے۔

علامہ حلبی نے بھی سیرت حلبیہ میں آنحضرتؐ کے آزاد کردہ آٹھ مشہور غلاموں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے جن میں زید بن حارثہ، ابورافع، شقران، انجشہ، رباح، یسار سفینہ، اور مامور شامل ہیں۔ یہاں علامہ حلبی نے سلمان فارسی کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت سلمان فارسی کو آپؐ کا آزاد کردہ غلام اس لیے کہا گیا کہ آپؐ نے ان کی طرف سے ان کی آزادی کی قیمت ادا فرمائی تھی۔

اس کے علاوہ علامہ حلبی یہ بھی لکھتے ہیں: مورخین لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض وفات میں چالیس غلام آزاد فرمائے۔ عورتوں میں جن کنیزوں کو آپؐ نے آزاد فرمایا ان میں ام ایمن، امیمہ، اور سیرین شامل ہیں۔ ابن کثیر کے ہاں آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلاموں اور کنیزوں کی جو تفصیلات ملتی ہیں ان

میں اڑتیس غلام اور بیس کنیزیں شامل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیرت نگاروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ جن غلاموں اور کنیزوں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے ان کی تعداد بیس، باون، اور اٹھاون تک جا پہنچتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی طبیعت میں یہ بات شامل تھی کہ آپؐ غلاموں کو آزادی دلا کر سکون محسوس کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مکی زندگی میں بھی آپؐ غلاموں کو آزادی دلا کر سکون محسوس کرتے رہے، لیکن سوال یہ ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنے کا سرمایہ آپؐ کہاں سے اخذ فرماتے تھے؟ یقیناً آپ کے پاس یہ سرمایہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے دیے ہوئے مال و دولت کی صورت میں موجود تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نہ فقط اپنی دولت آنحضرتؐ کے اختیار میں دے کر انسدادِ غلامی مہم میں آپؐ کے شانہ بشانہ رہیں، بلکہ غلاموں کی آزادی سے مربوط اسلامی احکام نازل ہونے سے بہت پہلے انھوں نے خود کئی غلام اور کنیزیں آزاد کیں۔

ھجرت حبشہ

ہجرتِ حبشہ کے پس منظر کے حوالے سے علامہ شبلی نعمانی، ابن ہشام سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

محمد بن اسحاق مطلبی کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تکلیفوں اور مصائب کو ملاحظہ فرمایا جو ان کے اصحاب پر کفار کی طرف سے نازل ہوتی تھیں، اگرچہ خود حضورؐ حفاظتِ الٰہی اور آپ کے چچا ابو طالب کے سبب سے مشرکوں کی ایذا رسانی سے محفوظ تھے مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے اصحاب کو بھی محفوظ رکھ سکتے۔ تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ حبش چلے جاؤ تو بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق و راستی کی سرزمین ہے۔ یہاں تک کہ خدا تمھارے واسطے کشادگی فرمائے اور جس سختی میں تم ہو اس کو دور کر دے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو سن کر بہت سے مسلمان اپنا دین محفوظ رکھنے کی خاطر حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مہاجرین کے حوالے سے علامہ شبلی نعمانی کا بیان ہے: عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت انھی لوگوں نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا۔ لہٰذا ہجرت حبشہ کے مہاجرین کے بارے میں یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس سفری اخراجات کے لیے کوئی قابل سرمایہ نہ تھا اور وہ قابلِ رحم حیثیت رکھتے تھے۔ ابن ہشام کے مطابق سب سے پہلے دس لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جن میں حضرت عثمان بن عفان اور ان کی بیوی حضرت رقیہ، ابو حذیفہ اور ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو سلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی ام سلمہ بنت ابی امیہ وغیرہ شامل تھے۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب نے ہجرت کی اور پھر ان کے بعد بہت سے مسلمان حبش جانے لگے اور وہاں ان کی ایک کثیر تعداد جمع ہوگئی۔

ظاہر ہے ابن ہشام کے نزدیک مہاجرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تبھی تو انھوں نے اس مقام پر مہاجرین کی تعداد کا تعین کرنے کی بجائے "بہت سے" اور "کثیر

تعداد جمع ہوگئی“ کے جملے لکھے ہیں، لیکن آگے چل کر ابن ہشام تمام مہاجرین حبشہ کا نام اور قبیلہ کی تفصیل لکھ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ: چنانچہ یہ سب لوگ جنھوں نے ملک حبش کی طرف ہجرت کی ہے علاوہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے جو ان کے ساتھ تھے یا جو حبشہ میں پیدا ہوئے عمار بن یاسر سمیت تراسی آدمی ہیں۔ عمار بن یاسر میں شک ہے کہ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ہے یا نہیں۔

ابن کثیر ہجرت حبشہ کے متعلّق یوں رقمطراز ہیں:

واقدی کی روایت کے مطابق ان مُسلمانوں نے مکے سے حبشہ کی طرف بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں ہجرت کی اور جن لوگوں نے سب سے پہلے ہجرت کی ان میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں، وہ لوگ ماش اور راکب کے درمیانی علاقے میں ساحل سمندر پر پہنچے، اور وہاں سے حبشہ کے لیے نصف دینار پر کشتی کرایہ پر لی۔ ان پہلے ہجرت کرنے والوں کے نام یہ ہیں: حضرت عُثمان بن عفان، اور آپ کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہؐ...... اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ابن جریر اور بعد کے لوگوں نے ان کی تعداد بیاسی بتائی ہے جو عورتوں اور بچوں کے علاوہ ہے۔ اگر عمار بن یاسر کو بھی ان میں شمار کیا جائے تو مردوں کی کل تعداد تراسی ہوتی ہے۔

خود ابن کثیر اپنی کتاب کے حاشیہ میں مہاجرین حبشہ کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں: ان مہاجرین اور ان کی صحیح تعداد کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ ہم نے متفق علیہ ناموں کے متعلّق سیرت ابن ہشام کے علاوہ ابن اسحاق کے گنوائے ہوئے نام دوسری مُتعدّد روایات سے مطابقت کے بعد یہاں درج کیے ہیں۔

علامہ طبری نے بھی مہاجرین حبشہ کی تعداد کا تعین نہیں کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ابو جعفر کہتا ہے اس پہلی ہجرت میں جو مُسلمان ترک وطن کر کے حبشہ گئے تھے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض راویوں نے کہا کہ یہ گیارہ مرد تھے اور چار عورتیں تھیں۔ حارث بن الفضیل سے مروی ہے کہ اس پہلی ہجرت میں جن مُسلمان مہاجرین نے خفیہ طور پر مُتفرّق حالت میں ہجرت کی ان کی تعداد گیارہ مرد اور چار عورتیں تھی ان کے سوار اور پیدل شیعبہ آئے۔ اللہ نے ان کی یہ مدد کی کہ عین اسی ساعت میں دو تجارتی جہاز بندرگاہ پر آئے جو ان کو نصف دینار کرایہ میں حبشہ لے گئے۔

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

چنانچہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر حبشہ جیسے دور افتادہ ملک کی طرف روانہ ہوا، تاکہ اس پر امن فضا میں وہ جی بھر کر اپنے رب کریم کی عبادت کر سکیں۔ اپنے عقیدہ کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کر سکیں اور یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا۔

مہاجرین نے یہ سفر چونکہ بحری راستہ سے کیا تھا اس سفر میں کرایہ کی مد میں خرچ ہونے والی رقم کے متعلّق پیر محمد کرم شاہ، احمد بن زینی دہلان کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں:

” یہ قافلہ رات کی تاریکی میں چھپ کر مکہ سے روانہ

ہوا۔ ایک کشتی حبشہ جارہی تھی، انھوں نے فی کس نصف دینار کرایہ ادا کیا......

اس ضمن میں علامہ حلبی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

ان حضرات صحابہ نے مکہ سے بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہجرت کی......اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دو جہازوں کا انتظام بھی فرمایا۔ یہ تاجروں کے جہاز تھے اور وہ تاجران لوگوں کو نصف دینار کی اجرت پر لے جانے پر راضی ہو گئے۔

یہاں علامہ حلبی ایک ہی عبارت میں دو مختلف باتیں لکھتے ہیں۔ یعنی عبارت کے پہلے حصّہ میں دو جہازوں کا ذکر کیا ہے جب کہ عبارت کے دوسرے حصّہ مین کتاب مواہب کے حوالے سے ایک جہاز کا ذکر کرتے ہوئے اس کا کرایہ نصف دینار لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ حلبی کی مذکورہ عبارت مہاجرین کے کرایہ پر اٹھنے والی رقم کا تخمینہ پیش کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

جبکہ علامہ شبلی نعمانی یوں رقم طراز ہیں: ان لوگوں نے پانچ نبوی ماہ رجب میں سفر کای۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ لوگ بندرگاہ پہ پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے، جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھا لیا۔ ہر شخص کو صرف پانچ درہم دینے پڑے۔

اب تک کے حوالوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے ہر مسافر حبشہ تک جانے کے لیے مندرجہ ذیل تین کرایوں میں سے کوئی ایک کرایہ ادا کرنے کا پابند تھا۔

(۱) حبشہ تک کا کرایہ ہر مسافر کا نصف دینار مقرر تھا۔

(۲) مہاجرین حبشہ نے نصف دینار پر پوری جہاز کو کرایہ پر لیا تھا، اس کی وضاحت اوپر کی گئی ہے۔

(۳) ہر مسافر کا کرایہ مکہ سے حبشہ تک کے لیے پانچ درہم مقرر تھا۔

نتیجہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مُسلمانوں کی کثیر تعداد نے حبشہ تک کا کرایہ نصف دینار یا پانچ درہم کے طور پر ادا کیا۔ چونکہ سابقہ روایات میں مہاجرین حبشہ کی متفق علیہ تعداد سامنے نہیں آتی ہے اس لیے ہم نصف دینار یا پانچ درہم کے اعتبار سے کوئی تخمینہ پیش نہیں کر سکتے۔ البتّہ سیرت نگاروں کے اس غیر مُتفقہ اقوال کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہجرت حبشہ اولیٰ میں مہاجرین کی تعداد سولہ اور ہجرت حبشہ ثانیہ میں تراسی مان لی جائے تو ان کی کل تعداد ننا نوے بنتی ہے اور اگر ہجرت حبشہ اولیٰ میں مہاجرین کی تعداد پندرہ اور ہجرت حبشہ ثانیہ میں تراسی مان لیا جائے تو ان کی کل تعداد اٹھانوے بنتی ہے۔ اس طرح مہاجرین حبشہ کی کرایہ نصف دینار کے حساب سے ساڑھے انچاس یا انچاس دینار بنتی ہے۔ جبکہ علامہ شبلی کی عبارت کے حساب سے چار سو پچانوے یا چار سو چورانوے درہم بنتی ہے۔ دور جاہلیت میں دینار کو جو حیثیت حاصل تھی اس کے متعلّق نور محمد غفاری لکھتے ہیں:

دورِ جاہلیت میں عربوں اور بالخصوص قریش مکہ کے ہاں یہ اوزان و پیمانے مروّج تھے:

دینار: یہ سونا وزن کرنے کے لیے تھا۔

درہم: یہ چاندی وزن کرنے کے لیے تھا۔

باقی صفحہ ۳۷ پر

باب المتفرقات

اسلامی سزاؤں پر اہلِ مغرب کے اعتراضات

تحریر: حجۃ الاسلام سید محمد حسینی بہارانچی

اہلِ مغرب یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام کی سزائیں سفاکانہ ہیں ۔ اسلام ایک چوتھائی دینار کے برابر چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے ۔ یہ سزا انسانی وقار کے منافی ہے اور یہ جرم بھی معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے جنم لیتا ہے ۔ ایک معمولی جرم پر انسان کو زندگی بھر کے لیے اپاہج کر دینا کہاں کا انصاف ہے ۔

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ معاشرہ انسانی کردار پر اثر ڈالتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کا ارادہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ اہلِ مغرب بتائیں کہ اگر ان کو انسان سے اتنی ہمدردی ہے تو وہ ایک جاسوس اور ایک منشیات فروش کو معاف کیوں نہیں کرتے؟ اگر معاشرے کی ناہمواری ہی چوری کا سبب ہے تو پھر ہمیں ہزاروں گھرانے ایسے کیوں دکھائی دیتے ہیں جو کسمپرسی کے باوجود نہایت ایماندار ہوتے ہیں، اس کے برعکس کچھ امیر لوگ (خاص کر مغربی ممالک کے بڑے بڑے اسٹوروں میں) چوری کرتے ہوئے پکڑے جاتے ہیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام صرف چور کو ہی سزا نہیں دیتا، سزا سے پہلے وہ چوری کی وجوہات کو ختم کرتا ہے ۔ اسلام انصاف پر مبنی سماج تشکیل دیتا ہے، جہاں ہر شخص کی ضروریات کی کفالت کی جاتی ہے ۔ اسلام حکومت کو محض اقتدار کا ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے ذمے داریوں کا تاج قرار دیتا ہے ۔ اسلام کہتا ہے کہ حکومت دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنائے تاکہ امیر، امیر تر نہ بنے اور غریب غریب تر نہ بنے ۔ حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کو روزگار فراہم کرے اور اگر وہ کسی کو روزگار نہ دے سکے تو اسے بیروزگاری الاؤنس دے ۔

بحار الانوار کی بارھویں جلد میں ایک قصہ ہے جس کا ترجمہ ہم اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں اور اسی سے ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حکومت افراد کی کفالت کی کس حد تک ذمے دار ہے ۔

محمد بن سنان روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا و مولا امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ خراسان میں تھا، مامون امام کو اپنے تخت کے دائیں طرف بٹھایا کرتا تھا، ایک دن پولیس کے سربراہ نے مامون کو اطلاع دی کہ ایک صوفی چوری کے الزام میں پکڑا گیا ہے ۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے دربار میں پیش کیا جائے ۔ جب وہ آیا تو اس کی شکل وصورت شرعی تھی اور اس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے ۔ مامون نے کہا کہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ انسان کی شکل وصورت شرعی ہو اور کردار

یہ ہو۔ صوفی نے کہا کہ میں نے چوری ضرور کی ہے لیکن شوق سے نہیں بلکہ مجبوری کی وجہ سے کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے مجھے خمس اور غنائم میں سے حصّہ نہیں دیا۔ آخر کار مجھے مجبور ہوکر چوری کرنا پڑی۔ مامون نے کہا کہ خمس اور غنائم میں تیرا حصّہ کہاں سے آ گیا؟ صوفی نے کہا کہ خدا نے خمس کے چھ مصارف بیان کیے ہیں اور فرمایا ہے: جان لو کہ تمھیں جو بھی غنیمت حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصّہ اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا اور رسولؐ کے رشتے داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔ (سورۂ انفال: ۴۱) خدا نے غنائم کے بھی چھ مصارف بیان کیے ہیں اور فرمایا ہے: جو مال غنیمت اللہ نے اپنے رسولؐ کو بستی والوں کی طرف سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے اور رسولؐ کے رشتے داروں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں دولت صرف ان ہی میں گردش نہ کرتی رہے۔ (حشر: ۷) ان آیات کے تحت میں مستحق ہوں۔ کیونکہ میں ضرورتمند مسافر ہوں اور میں حامل قرآن ہوں۔ تو نے مجھے میرے حق سے محروم کیا ہوا ہے۔ مامون نے کہا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں تیری باتوں مین آ کر خدا کی مقرر کردہ حد جاری نہیں کروں گا؟ صوفی نے کہا کہ مجھے پاک کرنے سے پہلے اپنے آپ کو پاک کر۔ پہلے اپنے اوپر حد جاری کر، پھر دوسروں پر جاری کرنا۔ مامون اس کے سامنے لاجواب ہوگیا اور اس نے امام علی رضا علیہ السلام کی طرف دیکھ کر کہا کہ فرزند رسولؐ! اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ امام عالی مقام نے فرمایا: یہ شخص کہنا یہ چاہتا ہے کہ تو نے بھی چوری کی ہے اور اس نے بھی چوری کی ہے۔ مامون کو سخت غصہ آیا اور اس نے صوفی سے کہا خدا کی قسم! میں تیرا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ صوفی نے کہا: تم شرعی طور پر مجھ پر حد جاری نہیں کر سکتے کیونکہ تم میرے غلام ہو اور میں تمھارے ہزاروں آقاؤں میں سے ایک آقا ہوں اور کسی غلام کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آقا پر حد جاری کرے۔ مامون نے کہا: تجھ پر ہلاکت ہو۔ میں تیرا غلام کیونکر ہوں؟ صوفی نے کہا کہ تیرے باپ نے مُسلمانوں کے بیت المال کی رقم سے تیری ماں کو خریدا تھا اس لیے تو تمام عالم اسلام کا مشترکہ غلام ہے۔ اگر سارے مُسلمان تجھے آزاد بھی کر دیں تو میں تجھے آزاد نہیں کرتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تو خمس کو ہضم کر گیا ہے۔ تو نے آلِ رسولؐ کا حق ادا نہیں کیا اور نہ ہی تو نے مجھ اور مجھ جیسے افراد کو کچھ دیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پلید شخص دوسرے کو پاک نہیں کر سکتا۔ تم تو خود حد شرعی کے مستحق ہو تم بھلا دوسروں پر حد کیسے نافذ کر سکتے ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: کیا یہ عقل کی بات ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتابِ خدا بھی پڑھتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں؟ (بقرہ: ۴۴) مامون نے امام کی طرف دیکھ کر کہا کہ اس شخص کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ امام عالی مقام نے کہا: اللہ فرماتا ہے: ''فللہ الحجۃ البالغۃ'' اور یہ غالب حجّت وہ ہے جو کسی نادان کے سامنے پیش کی جائے تو وہ بھی اسے دانا شخص کی طرح سمجھ لیتا ہے۔ نیز دنیا اور

آخرت کا مدار حجت پر ہی ہے ۔ اس شخص نے اپنی حجت پیش کردی ہے ۔ مامون نے صوفی کو رہا کرنے کا حکم دیا اور دربار سے اٹھ کر حرم سرا میں چلا گیا ۔ اور اسی دن سے امام علی رضا علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے آپ کو زہر دے کر شہید کرا دیا ۔

اہلِ مغرب اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیتے ہیں اور غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ عالم اسلام میں روزانہ بیسیوں افراد کے ہاتھ کٹ رہے ہیں، جبکہ حدود کے نفاذ کے لیے اسلام نے انتہائی کڑی شرائط رکھی ہیں ۔ شاید انھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ صدر اسلام سے لے کر چار سو سال تک صرف چھ افراد کے ہاتھ کاٹے گئے ۔ اگر اہلِ مغرب اوران کا قصیدہ پڑھنے والوں کے چہروں پر شکنیں نہ آئیں تو ہم اہلِ مغرب کی بربریت کا ایک ہلکا سا نمونہ یہاں پیش کرتے ہیں اور ہم یہ نمونہ اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ اسلام کو وحشیانہ دین کہنے والے آئینے میں اپنی صورت دیکھ لیں ۔ جنگ عظیم دوم کے اختتام پر اخبارات میں اس جنگ کے نقصانات کی خبریں شائع ہوئی تھیں ۔ ان خبروں میں ایک خبر یہ تھی کہ روس نے امریکا سے درخواست کی ہے کہ وہ اسے چالیس لاکھ بیساکھیاں فراہم کرے تا کہ اس کے معذور فوجی بیساکھیوں پر چل پھر سکیں ۔

تہران کے روزنامہ اطلاعات مورخہ ۱۹/۹/۳۹ کی اطلاع کے مطابق صرف برطانیہ میں دس لاکھ افراد کو مصنوعی آنکھیں لگائی گئیں ۔

(اقتباس از محرمات اسلام ص ۲۹۰ ۔ ۲۹۲)

بقیہ: اسلام کی تبلیغ میں حضرت خدیجہؑ کا کردار

(یاد رہے کہ دینار اور درہم میں سات اور دس کی نسبت تھی یعنی دس درہم سات دینار کے برابر ہوتے تھے)

شعیر: یہ درہم کے ۱/۶۰ کے برابر تھا۔

اوقیہ: ۴۰ درہم کے مساوی تھا۔

نواۃ: یہ پانچ درہم کے برابر تھا۔

مثقال: یہ کسی کسر کے ساتھ ۲۲ قیراط کے مساوی تھا۔ مصری مثقال ۲۴ قیراط کے برابر تھا۔

رطل: ۱۲ اوقیہ کے برابر تھا۔

مذکورہ عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دور جاہلیت میں درہم و دینار سب سے بڑی رقم تصور کی جاتی تھی ۔ مہاجرین حبشہ نے صرف مکہ سے حبشہ تک کرایہ کی مد میں اتنی کثیر رقم کو خرچ کیا، جبکہ حبشہ سے واپسی کا کرایہ اور دیگر اخراجات کے لیے یقیناً مزید رقم بھی خرچ ہوئی ہوگی لیکن یہاں پھر یہ سوال باقی ہے کہ یہ سب اخراجات کہاں سے پورے ہوئے؟ سیرت نگار اس ضمن میں خاموش ہیں ۔ لیکن یہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ اتنی کثیر رقم خرچ کر کے مہاجرین کو حبشہ پہنچانے کا انتظام کرنا، سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے مال و دولت کے ہمیں کوئی اور سرمایہ آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے پاس نظر نہیں آتا ۔ چنانچہ مہاجرین کی کامیاب ہجرت اور حبشہ میں اسلامی تعلیمات کو صحیح شکل میں پیش کرنے کا موقع فراہم کرنے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی مال و دولت کا بہت بڑا کردار ہے ۔

(بشکریہ سہ ماہی "نورِ معرفت" اسلام آباد شمارہ ۲ ۲۰۱۵ء)

اندرون و بیرونِ ملک اہلِ ایمان سے اپیل

لہٰذا مومنین مسجد کی تعمیر میں حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں

تمام رقوم درجِ ذیل اکاؤنٹ نمبر میں بھجوائیں

08940007113901

حبیب بینک گل والا چوک سرگودھا

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا

بقیہ باب العقائد

ڈالنے اور باطل پرست لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے نام نہاد علماء پر لعنت کی ہے۔ چنانچہ آپؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اذا ظهرت البدع فی امتی فعلی العالم ان یظهر علمه و من لم یفعل فعلیه لعنة الله۔ (اصول کافی)

جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہوجائیں تو عالم کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے (لوگوں کا اصل حقائق سے آگاہ کرے) اور جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔

لہٰذا چونکہ علماء حق بین وحق گو کے پہلو میں دل ہے اور دل میں خوفِ خالق دوجہاں اور احساس سود و زیاں ہے اس لیے وہ ہر چیز اور ہر مالی وجانی نقصان برداشت کرسکتے ہیں مگر اپنے فرائض و وظائف کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنا گوارا نہیں کرسکتے۔

لان عاب الأخرة اشد و ابقیٰ

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ:

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونی منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہو

بقیہ پھر مذاہب کے مابین تصادم کیوں

ایجادات نے انسان کو اپنے اوپر وہ غیر معمولی اعتماد عطا کردیا ہے کہ وہ خود کو اپنی تقدیر کا مالک سمجھ بیٹھا ہے۔ چنانچہ لادینیت اور کفر و الحاد کا سیلاب جو اپنی جلو میں مادیت کی چمک دمک لیے ہوئے ہے، یورپ سے ایشیا تک کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ آج کی نسل "برگر کلاس" سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کا ایمان ہے کہ:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اور یہی تصور کہ "کھاؤ پیو موج اڑاؤ" رفتہ رفتہ پورے مذہبی معاشرے کا مزاج بن جائے گا۔ بلکہ کم و بیش بن چکا ہے۔ لہٰذا آج کا سب سے بڑا چیلنج خود مذاہب کا جواز بنتا جا رہا ہے۔ یعنی یہ سوال کہ کیا انہیں مذہب کی ضرورت ہے؟ کیا ہم مذہبی شعائر اپنے بغیر ایک آسودہ حال اور اطمینان بخش زندگی نہیں گزار سکتے۔ اگر ایک شخص کار، کوٹھی کا مالک ہے اور اسے زندگی کی تمام تعیشات میسر ہیں تو اسے خدا اور اس کے احکامات کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب مذہب، مادی ترقی اور آسائشوں کی موجودگی میں اپنا جواز کھوتا جا رہا ہے۔ مذہب کے جواز پر نئی نسل کو قائل کرنے اور ان کے قلب وضمیر کو مسخر کرنے کے لیے ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ مگر یہ سارے کام اہلِ مذہب اس وقت ہی کرسکیں گے جب انھیں باہمی جنگ و جدل اور ایک دوسرے کی تکفیر و تحقیر سے فرصت ہوگی۔ مذاہب کے ماننے والے ان کے پیروکار جلد ہوش کے ناخن لے لیں، تو غنیمت ہے ورنہ: ع

تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

☆ حاجی فیاض حسین چھینہ آف ڈگر شادہ ضلع بھکّر کے بھائی علی رضا رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے۔

☆ ملک علی خان صاحب گارڈ سلطان المدارس سرگودھا کے چچا اور ڈاکٹر شوکت زمان کے والد حاجی خان زمان چکڑالہ ضلع میانوالی میں وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ مولانا سید ظہیر حسین شیرازی کی خوشدامن اور مولانا سید تقی الحسنین کی والدہ جلال پور ننگیانہ ضلع سرگودھا میں وفات پا گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوار سیدہ سلام اللہ علیہا میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ محرماتِ اسلام

اپنے شیعوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ امام نے فرمایا: تم نے جو شربت پیا ہے اس میں قبر حسینؑ کی مٹی شامل تھی اور وہ بہترین دوا ہے۔ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو یہ شربت پلایا کرتے ہیں۔ یہ ہر درد کے لیے مفید ہے اور ہر بھلائی کا وسیلہ ہے۔

میں نے کہا: تھوڑی سی خاک مجھے بھی عطا فرمائیں تاکہ ہم بھی اس سے استفادہ کریں۔ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص حائر حسینی کی خاک لے کر جاتا ہے تو جنات اور دوسری نادیدہ مخلوق اسے مس کرتی ہے، جس سے اس کی برکت زائل ہوجاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر دردمند کو اس سے شفا ملتی۔ اس کی مثال حجر اسود کی سی ہے۔ جب یہ پتھر آسمان سے آیا تھا تو سرخ رنگ کا تھا، گنہگار ہاتھ اس پر لگتے رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کالا سیاہ ہوگیا۔ ہاں تم ہمارے پاس رہ کر خاک شفا کا مشروب پی لو، اسے اپنے ساتھ مت لے جاؤ۔ کیونکہ خاک کی تم حفاظت نہ کرسکو گے۔ الغرض حضرت نے دو مرتبہ مجھے خاک شفا کا مشروب پلایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ میری ساری جسمانی تکلیف دور ہوگئی۔ (کامل الزیارات ص ۲۷۵، بحار ج ۶۰ ص ۱۵۷، کافی ج ۱ ص ۴۲۱)

Registered No. (G) H.C/722

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی
عقب جوہر کالونی
سرگودھا کا

اٹھارھواں دوروزہ
سالانہ

اجلاس

۱۰، ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۵ء
بروز
ہفتہ اتوار

منعقد ہو رہا ہے

جس میں

ملک بھر سے جید علماء کرام، واعظین اور خطبائے عظام اپنے اپنے بیانات سے مستفیض فرمائیں گے

اراکین سلطان المدارس و اراکین تحریک تحفظ تعلیماتِ محمدؐ و آل محمدؐ سرگودھا پاکستان

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

موبائل نمبر: 0301-6702646
فون 048-3021536